فہرست

اداریہ	ابتدا تیرے نام سے	صائمہ اسما	5
انوار ربانی	برکت کا تصور	ام اسماعیل	7
قول نبیؐ	زمین پر اللہ کی پسندیدہ جگہ	ام ایمان	11
خاص مضمون	آیئے حالات سدھارنے کا عزم کیجئے!	ڈاکٹر رخسانہ جبین	13
علمی دنیا	کتاب سے رشتہ مضبوط کیجئے	صائمہ اسما	21
نوائے شوق	حمد	ام عبدمنیب	24
	مولا دور نہ کر	شمیم فاطمہ	24
	غزل	کرامت بخاری	25
	غزل	راحت چغتائی	25
	آؤ سمندر بن جائیں	شمیم فاطمہ	26
	غزل	رخشندہ نوید	26
	غزل	شہود ہاشمی	27
	غزل	طارق محمود طارق	27
حقیقت و افسانہ	ندامت	ڈاکٹر شگفتہ نقوی	28
	سوتیلے پن کی چھاؤں (۲)	عالیہ حمید	31
طویل کہانی	آئیڈیل	سعدیٰ مقصود	39
ہلکا پھلکا	چلتے چلتے	فرزانہ چیمہ	54
	کوئی جوتا نہیں مارے	آمنہ ساجد	58
آپ بیتی	داستانِ عطا و بخشش	ڈاکٹر ثمین ذکا	59
مطالعہ گاہ	میری لائبریری سے	قانتہ رابعہ	63
محشر خیال	ڈاکٹر سلیمہ خانم، سیدہ فاطمہ گیلانی، ساجدہ ناہید		71
بتول میگزین	ام عثمان، مریم شہزاد، عذرا زبیر، زہرہ، ام یحییٰ، امامہ نور، ساجدہ عبدالغفور		74
گھر داری	بن بلائے مہمان کی خاطر مدارات	شگفتہ فاطمہ	78
قدرت کے خزانے	جنت کا پھل، انجیر	فائزہ سبین	80

ابتدا تیرے نام سے

قارئین کرام! عرصہ گزرا، ہم اترائی کے ایسے مسافر بن چکے ہیں، جن کے لئے ہر قدم پر دلدلوں کی نئی وادیاں منتظر ہوتی ہیں۔گلوبل گیم کے شاطر کھلاڑی ہمیں اس طرح اپنے شکنجے میں جکڑ چکے ہیں کہ ہر آنے والا وقت ہم پر ان کی گرفت مضبوط تر کر رہا ہے۔ بظاہر ہمیں ساتھی اور رفیق کہنے والے اپنا گھیرا ہم پر تنگ کرتے جا رہے ہیں اور ہم نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتے۔عوامی سطح پر تبدیلی اور بہتری کی امید موجود تو ضرور ہے مگر آنے والا دن ہمیں پُر امن انقلاب کے امکانات سے دور اور خونی انقلاب یا خانہ جنگی کے نزدیک تر کر رہا ہے۔

اگر تو امریکہ کے دعوے درست ہیں اور اسامہ بن لادن کو واقعی موت کے گھاٹ اتارا جا چکا ہے تو اسے ختم کرنے کے لئے ایبٹ آباد کا انتخاب ہمارے لئے مصیبتوں کے نئے دروازے کھول چکا ہے۔ یہ رپورٹیں بار ہا منظر عام پر آئیں کہ اسامہ کئی بار امریکی فوج کے گھیرے میں آیا مگر چھوڑ دیا گیا۔اب جبکہ امریکی اور نیٹو افواج بری طرح ہزیمت اٹھا کر افغانستان سے نکلنے کا محفوظ راستہ ڈھونڈ رہی تھیں تو اچانک اس جنگ کا رخ پوری طرح پاکستان کی طرف موڑنے کا بندوبست کر لیا گیا ہے۔ایبٹ آباد کے انتہائی حساس علاقے کا انتخاب اس شبہے کو تقویت دیتا ہے۔میت کو فوراً ٹھکانے لگانا شکوک وشبہات کی ایک الگ داستان کو جنم دیتا ہے۔سی آئی اے کے چند بیانات اور سرسری سی فوٹیج پر مبنی معلومات کی بنیاد پر پاکستان سمیت دنیا بھر کو اس ''عظیم فتح'' کا یقین دلایا جا رہا ہے۔تحریکِ طالبان پاکستان جو قوی شواہد کی بنا پر امریکہ ہی کے اشاروں پر کام کر رہی ہے، اس کی جانب سے انتقام کے عزائم فوری طور پر ظاہر کر دینا بھی یہ بتاتا ہے کہ اب دہشت گردی کی اس ہاری ہوئی جنگ کو نئے مرحلے میں داخل کرنے کے لئے یہ سارا منظر تخلیق کیا گیا ہے۔

حکومت پاکستان کی خاموشی نہایت افسوس ناک ہے۔اپنی سرزمین پر ہونے والے اس امریکی آپریشن کے بارے میں کوئی سرکاری وضاحت اور موقف پیش نہیں کیا گیا بلکہ امریکی بیانات اور تصاویر ہی کو دہرایا گیا۔معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کو کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا گیا اور پاکستانی انٹیلی جنس اور فوج کو بھی دھوکے میں رکھا گیا ہے۔کیا اس صورت میں پاکستانی شہری ،علاقے اور ایٹمی اثاثے محفوظ سمجھے جا سکتے ہیں؟

دہشت گردی کی یہ شیطانی جنگ ابتدا ہی سے جھوٹ ،مکر وفریب اور دھوکہ دہی پر مبنی ہے۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی ، پھر جامعہ حفصہ کا انتہائی منظّم پلان ، پھر وزیرستان اور سوات میں معاہدات سبوتاژ کروانا تاکہ خطے میں امریکی منصوبہ بندی

پوری ہو سکے، یہ سب اسی مکروفریب کے جال کے تانے بانے ہیں۔لہٰذا اب پاکستان کونشانہ بنانے کے لئے اس قسم کا ڈرامہ تخلیق کرنا ہرگز بعیداز امکان نہیں ہے۔

اوباما کا دعویٰ ہے کہ اب دنیا محفوظ ہوگئی ہے۔کیا یہ حفاظت پاکستان کے حصے میں بھی آئے گی؟ پاکستان تو صرف اُس صورت میں محفوظ ہوسکتا ہے جبکہ امریکہ اس خطے سے مکمل طور پر نکل جائے اور ہمارے قبائلی علاقوں میں لوگوں کے جان و مال امریکی حملوں سے محفوظ ہوں، پاکستان امریکہ کا ساتھ دینا چھوڑ دے تاکہ ہمارا ملک قبائلی عوام کی طرف سے ردعمل کا شکار نہ ہو۔ نیز امریکی اور بھارتی ایجنسیوں کی دہشت گردانہ کارروائیاں بند ہوں۔ورنہ ہمیں اسامہ کے جان بحق ہوجانے سے کوئی مثبت فرق نہیں پڑتا بہرحال، اب اخلاقی طور پر امریکہ کے پاس خطے میں مزید رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔اوباما کی ایف پاک پالیسی کا بنیادی فوکس اسامہ تھا جس کی ہلاکت کا خود اعلان کر دینے کے بعد امریکہ کو اپنی فوجوں کا فوری انخلا شروع کر دینا چاہیے۔

اسامہ کے جانے سے دنیا محفوظ ہوئی یا نہیں، ایک بات واضح ہے کہ صدر اوباما نے اگلے انتخابات میں اپنی کامیابی محفوظ کرنے کا امکان ضرور پیدا کرلیا ہے۔امریکی قوم کو بھی اس صورت میں خوشیاں منانے کا ایک بہانہ میسر ہوگیا اور کئی سال تک اپنی لاشیں اور دنیا والوں کی شدید نفرت وصول کرنے کے بعد وہ اپنے تئیں کسی کارنامے پر فخر کرنے کے قابل ہوئے مگر امریکی عوام سے یہ حقیقت چھپائی جاتی ہے کہ ایک اسامہ کا ختم ہوجانا امریکی فتح نہیں ہے کیونکہ اگر امریکہ اور اس کے حواری دنیا بھر میں اپنی پالیسیاں تبدیل نہیں کرتے تو اسامہ پیدا ہوتے رہیں گے۔اسامہ بہت سے مسلمانوں کے نزدیک مغرب کے ظلم اور دہرے معیارات کے خلاف مزاحمت کی ایک علامت بن چکا تھا۔

کراچی کے حالات خراب تر کر دیئے گئے ہیں اگر اب بھی ہم نے ہوش کے ناخن نہ لئے اور عوامی رائے سے ایک مخلص حکومت قائم نہ کی، جو ملکی مفادات کے مطابق پالیسی سازی کر سکے، تو دشمن تو ہمیں یوگوسلاویہ بنانے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ دہشت گردی کی اس امریکی جنگ کا اگلا مرحلہ یہی ہے جس میں پاکستان کو کمزور کر کے اس کی ایٹمی صلاحیت ختم کرنا مقصود ہے۔ہم نیٹو کی سپلائی لائن بند کر کے امریکہ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ہماری ایٹمی صلاحیت ہماری سب سے بڑی قوت ہے جس کی بنا پر امریکہ اپنے عزائم نہایت سست رفتاری سے مکمل کرنے پر مجبور ہے۔ہمیں صرف مخلص قیادت کی ضرورت ہے جو ملک کی سلامتی اور خودمختاری پر یقین رکھتی ہو، آج حالات یہ ہیں کہ بعض قومی سیاستدان تک صوبائیت کی بنیاد پر علاقے علیحدہ کرنے کی تجاویز دینے لگے ہیں۔ان کے ہاتھوں میں حکومت آ گئی تو یہ امریکی ایجنڈا پورا کرنے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہ کریں گے۔

توانائی کے بحران کی صورتحال پہلے سے کہیں زیادہ گھمبیر ہوگئی ہے۔سال پہ سال گزرتے جارہے ہیں اور حکومت عوام کی تکالیف کو کم کرنے کے لئے ٹس سے مس نہیں ہورہی۔ایسا لگتا ہے کوئی والی وارث نہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں۔یا جیسے جو لوگ ذمہ

دار ہیں انہیں یہی کام تفویض کیا گیا ہے کہ اس ملک کو معاشی دیوالیہ پن کی حد تک پہنچا دو، باقی کام ہم خود کر لیں گے۔ امریکہ نے جب عراق کی معیشت کو تباہ و برباد کیا تو صدام حسین سات لاکھ فوج لئے بیٹھا تھا، جو ملک کو بچانے کچھیا کچھ بھی نہ کر سکی۔صرف عوام کا شعور ملک کو اس صورتحال سے نکال سکتا ہے۔

معروف ومقبول ٹی وی فنکار معین اختر کا گزشتہ ماہ انتقال ہو گیا۔معین اختر اچھے وقتوں کے ٹی وی آرٹسٹ تھے جب مزاح اور ٹاک شوز کا ایک معیار ہوتا تھا۔زبان و بیان ،نشست و برخواست اور ادب ولحاظ کی پابندیاں تھیں۔ٹی وی پروگرام خاص حد تک ضابطۂ اخلاق کے پابند تھے اور گھروں میں فیملی کے ساتھ بیٹھ کر شوق سے دیکھے جاتے تھے۔کردار کی ادائیگی میں تخلیقی انداز ،میزبانی میں بذلہ سنجی وحاضر جوابی اور عمدہ حسنِ مزاح معین اختر کا خاصہ تھی۔اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے آمین۔

دعا گو

صائمہ اسما

برکت کا تصور

برکت کیا ہے اور کس چیز میں ہے، قرآن وحدیت کی روشنی میں

برکت کے معنی ہیں ''کسی چیز میں خیر الٰہی کا ثابت ہونا''

''جو کام بھی کیا جائے اس میں توقع سے زیادہ فائدہ ہونا بشرطیکہ یہ کام خیر کا پہلو رکھتا ہو۔''

☆ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ''تبارکَ'' جو عموماً اُن کاموں کے لئے استعمال ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے مختص ہیں مثلاً

فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ بہت بابرکت ہے اللہ تمام جہانوں کا رب

فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ برکت ہے اللہ۔ بہترین تخلیق کرنے والا

تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ برکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ برکت ہے وہ ذات جس نے فرقان کو نازل کیا

☆ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی حضرت محمدﷺ کی ذاتِ اقدس میں وہ معجزانہ برکت رکھی جو بچپن سے انہیں ممتاز کرتی رہی۔

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو قرآنِ پاک میں درود بھیجنے کی تلقین کی اور درود ابراہیمی ہمیں سکھایا گیا جس کے الفاظ میں ہے:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ محمدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اللہ تعالیٰ کے نبی کی برکتوں کا ظہور ان کی دائی حلیمہ سعدیہ کے گھر میں دوران رضاعت ہی ظاہر ہو گیا۔ وہ گھر نعمتوں کی فراوانی سے بھر گیا۔

آپؐ کی عمر مبارک میں اللہ تعالیٰ نے وہ برکت ڈالی کہ 23 سالہ دورِ نبوت میں انہوں نے وہ اسوۂ حسنہ ہمارے لئے چھوڑا جو آج 14 سو سال بعد بھی تروتازہ ہے لیکن باقی نبیوں نے زیادہ عرصہ تبلیغ کی تو بھی وہ نتائج حاصل نہ ہوئے اور امت مسلمہ کی تعداد روزِ آخرت بھی سب سے زیادہ ہوگی۔

برکت کم وقت کم محنت کم عرصے میں بقدرِ ضرورت چیز کا کافی ہونا ہے کم محنت زیادہ بہتر نتائج برکت ہی کی بدولت ہیں۔

☆ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے مبارک نبیﷺ پر جو کتاب نازل کی وہ بابرکت ذکر ہے۔

وَھٰذَا ذِکْرٌ مُّبٰرَکٌ اَنْزَلْنٰہُ ا

یہ (قرآن) بابرکت ذکر ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے (الانبیاء50)

اس کتاب کی برکات کی بدولت رب العزت نے مسلمانوں کوفقر و فاقہ میں بھی عزت بخشی ۔ وہ مسلمان جو عالم باعمل تھے انہوں نے فتوحات پر فتوحات کیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ سارا کچھ اس کتاب پرعمل کی بدولت مسلمانوں کو دیا۔

☆ یہ کتاب جس رات میں نازل ہوئی اس رات کو مسلمانوں کوایک عظیم تحفہ نصیب ہوا کہ وہ کم وقت میں زیادہ ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو مبارک رات میں نازل کیا (سورۃ الدخان:3)

یہ مبارک رات ہزار مہینے سے بہتر ہے گویا ایک طویل عرصے کی عبادت سے بہتر اس رات کی عبادت ہے اس مبارک رات میں روح و فرشتے اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لئے نازل ہوتے ہیں یہ فرشتے اتنی کثیر تعداد میں ہوتے ہیں کہ جس سے ساری زمین بھر جاتی ہے ۔ یہ رات طلوع فجر تک سراسر سلامتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو مکہ معظّمہ میں نازل کرنا شروع کیا۔ مکہ میں موجود غارِ حرا میں سب سے پہلی وحی نازل ہوئی ۔ مکہ کے بارے میں قرآنِ پاک کے الفاظ ہیں۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ

بے شک پہلا گھر جولوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے وہ تمام عالمین کے لئے برکت وہدایت والا ہے(ال عمران96)

سارا ملک عرب جاہلیت کے دور میں انتہائی بدامنی ،لوٹ مار قتل وغارت میں مبتلا رہا لیکن ملک بھر میں کعبہ ہی ایسا خطہ تھا جہاں امن قائم رہا۔ کعبہ ہی کی برکت تھی کہ سال بھر میں 4 ماہ پورے ملک کو اس کی بدولت امن مل جاتا لق و دق پتھریلے میدان کے لئے وافر رزق کا انتظام کیا ہر طرح کا پھل ہر ملک سے یہاں میسر ہوسکتا ہے۔

مکہ مکرمہ کا ایک اور معجزہ ''آبِ زم زم'' ہے ایسا با برکت پانی جوختم ہونے میں نہیں آیا۔ اور بھوک پیاس دونوں کو دور کر کے بیماریوں کیلیا شفا ہے۔

اللہ: بابرکت ذات

نبی اکرم ﷺ: بابرکت ہستی

قرآن: بابرکت کتاب

لیلۃٌ مبارکۃ: بابرکت رات جس میں نزول قرآن ہوا

مکہ مکرمہ: بابرکت مقام

آبِ زم زم: بابرکت پانی

برکت طلب کریں:

اللہ تعالیٰ نے سنتِ کاملہ کے ذریعے ہمیں بابرکت کلمات سکھائے طلبِ برکت کے مواقع بتائے مثلاً

☆ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں جب فصل کا نیا میوہ آتا تو لوگ اُسے رسول اللہ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرتے آپؐ دعا فرماتے

اَللّٰهُمَّ بَارِكۡ لَنَا فِىۡ ثَمَرِنَا وَ بَارِكۡ لَنَا فِىۡ

مَدِيْنَتِنَا وَ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا

اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت دے ہمارے شہر میں ہمارے لئے برکت دے ہمارے لئے ہمارے صاع میں برکت دے اور ہمارے لئے مد میں برکت دے (صاع اور مد ناپنے کے پیمانے) اس کے بعد آپ وہ پھل سب سے کم عمر بچے کو عنایت فرماتے (مسلم)

☆ شادی کے موقع پر دلہا دلہن کو آئندہ کی بہترین زندگی گزارنے کیلیا جو مسنون دعا دی جاتی ہے وہ یہ ہے۔

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَ بَارَكَ عَلَيْكُمَا وَ جَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ

اللہ تیرے لئے برکت دے اور تم دونوں پر برکتیں نازل فرمائے اور تم دونوں کو بھلائی پر متفق رکھے۔

☆ میزبان کو مہمان کیا دعا دے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مَارَزَقْتَهُمْ وَ غْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ

اے اللہ جو رزق تو نے ان کو دیا اس میں ان کے لئے برکت ڈال دے اور ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما۔

اللہ کے نبی اکرم ﷺ کی دعائے برکت

اللہ کے نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ تو تھی ہی باعثِ برکت:

سیدنا عبداللہ (بن مسعودؓ) کہتے ہیں کہ ہم تو معجزوں کو اللہ کی برکت اور عنایت سمجھتے تھے اور تم اُن سے ڈرتے ہو۔ ہم نبیؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ پانی کم پڑ گیا پس رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ

''بچا ہوا پانی ہو تو لے آؤ۔'' تو لوگ ایک برتن لائے جس میں تھوڑا سا پانی تھا آپؐ نے اپنا ہاتھ اُس برتن میں ڈال دیا پھر فرمایا کہ:

''آؤ برکت والا پانی لو اور برکت اللہ کی طرف سے ہے۔''

سیدنا عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا کہ پانی رسولؐ کی انگلیوں سے پھوٹ رہا تھا اور ہم کھانا کھاتے وقت کھانے کی تسبیح سنتے تھے۔ (بخاری، باب علامات النبوہ فی الاسلام)

دعائے برکت کے نتائج

یہ تھی اللہ کے نبی اکرم ﷺ کی معجزانہ کرامت۔ اور ان کی دعا کا اثر کیا تھا:

سیدنا عروہ ابارقی سے روایت ہے کہ نبیؐ نے انہیں ایک دینار دیا کہ ایک بکری خرید لاؤ وہ گئے اور ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں پھر ان میں سے ایک بکری ایک دینار میں بیچ دی اور ایک بکری اور ایک دینار نبیؐ کے پاس لائے آپ نے ان کی تجارت میں برکت کی دعا کی (پھر اس دعا سے عروہ کا یہ حال ہو گیا) کہ اگر مٹی خریدتے تو اس میں بھی فائدہ ہوتا۔ (بخاری باب فضائل صحابہؓ)

لوگوں میں دعائے برکت کی فضیلت سے کیا نتائج برآمد ہوئے:

سیدنا عبداللہ بن ہشام سے روایت ہے کہ انہیں اُن کی والدہ رسولؐ اللہ کے پاس لے گئی تھیں اور انہوں نے کہا تھا کہ یا رسولؐ اللہ اس سے بیعت لے لیں آپؐ نے فرمایا کہ

یہ چھوٹے ہیں پھر آپؐ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لئے دعا کی یہی بازار جاتے اور غلہ خریدتے تھے پھر کبھی سیدنا ابن عمرؓ اُن سے ملتے تو کہتے کہ ہمیں بھی شریک کرلو کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے تمہارے لئے برکت کی دعا کی ہے۔ پس وہ ان کو شریک کر لیتے تو اکثر اوقات پورا پورا اُونٹ حصے میں آجاتا تھا اور وہ اُس کو اپنے گھر روانہ کر دیتے تھے ۔(بخاری)

یہ تھا صحابہ کرام کا اعتقاد و یقین کہ نبی اکرمؐ کی دعا رد نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے مبارک نبی نے ہمارے لئے اسوہ کامل کی روشنی دی جس میں کچھ اوقات کچھ اعمال اور کچھ چیزوں میں جو برکتیں رکھ دی گئی ان سے آگاہ کیا۔

باعث برکت اعمال

☆ سورہ بقرہ (ضرور) پڑھا کرو اس کا پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا چھوٹنا باعث حسرت ہے اور جادوگر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے (مسلم)

☆ سحری کھایا کرو اس لئے کہ سحری کھانے میں برکت ہوتی ہے (بخاری)

☆ البرکۃ فی نواصی الخیل گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت ہے (بخاری)

باعثِ برکت اوقات

اللہ تعالیٰ کے نبی نے دعا مانگی

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا

اے اللہ میری امت کے بکور (دن کے اول حصے) میں برکت ڈال دے۔ (سنن ترمذی کتاب البیوع الطیرانی فی الاوسط)

بکور کے اوقات میں سحر فجر چاشت کے اوقات ہمارے لئے باعث فضیلت ہیں اور برکات سمیٹنے کے لئے ہی تو ہیں۔ اول وقت میں کیا گیا کام خوش اسلوبی سے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔

☆☆☆

زمین پر اللہ کی پسندیدہ جگہ

نماز مسلمان کا ایک ایسا شعار ہے جس کے ذریعے ہر مومن اور کافر کے درمیان امتیاز ہوتا ہے۔ جو ترکِ نماز کرتا ہے وہ دراصل کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ نماز کے ذریعے ایک مسلمان دن میں پانچ دفعہ بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوتا ہے اور اپنی عرض و نیاز کرتا ہے پنج گانہ اجتماع نماز کے ذریعے نظم جماعت ، اطاعت امیر ، پابندی اوقات اور طہارت اور پاکیزگی کا روح پرور نظارہ ہوتا ہے ایک ایسا نظارہ جس کی مثال دنیا کے کسی مذہب اور کسی قوم میں نہیں مل سکتی۔ نماز مسلمانوں کے لئے عزت و توقیر کی ضامن ہے خواہشات اور منکرات سے روکتی ہے رب جلیل کے حضور براہ راست باریابی کا موقع فراہم کرتی ہے۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وقت رخصت رسول اکرمؐ کی زبان مبارک پر جو وصیت تھی وہ یہ ہی تھی کہ

''اَلصَّلٰوۃَ اَلصَّلٰوۃَ وما ملکت أیمانکم

نماز.....نماز.....اور جو زیر دست ہیں

آپؐ نے فرمایا۔

''اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور جب وہ دس برس کے ہوں تو انہیں ترک نماز پر مارو اور ان کے بستر جدا کر دو'' (سنن ابی داؤد، ترمذی)

یعنی والدین کے لئے حکم ہے کہ وہ اپنی اولاد کو سات برس کی عمر ہی میں نماز کی تعلیم دے کر نماز کا عادی بنانے کی کوششیں کریں اور اگر وہ دس برس کے ہو کر نماز نہ پڑھیں تو والدین تادیبی کارروائی کریں یعنی انہیں سزا دے کر نماز کا پابند بنائیں اور دس برس کی عمر چونکہ بلوغت کے قریب کا زمانہ ہوتی ہے لہٰذا انہیں اکٹھا نہ سونے دیں۔

ترک نماز کا مطلب اپنے آپ کو کفر میں شامل کرنے کے ارادے کا اظہار ہے عبداللہ بن شفیق روایت کرتے ہیں کہ ''صحابہ اکرامؓ اعمال میں سے کسی چیز کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے سوائے نماز کے'' (ترمذی)

سیدنا ابو درداؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص نماز چھوڑ دے تو یقیناً اس سے (اللہ کی حفاظت کا) ذمہ ختم ہو گیا'' ابن ماجہ۔

نماز با جماعت ہر مومن مرد پر لازم ہے بشرطیکہ کوئی شرعی عذر نہ ہو۔ رسولؐ اللہ کا فرمان ہے۔

''جس شہر یا دیہی آبادی میں تین آدمی رہتے ہوں اور ان میں جماعت کے ساتھ نماز کا انتظام نہ ہو تو ان پر شیطان غالب آجاتا ہے لہٰذا جماعت قائم کرو۔ کیونکہ بھیڑیا ریوڈ میں سے الگ رہنے والی (بھیڑ یا بکری) کو کھا جاتا ہے (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سننسائی)

جماعت سے نماز کے لئے حکم دیتے ہوئے آپؐ نے تنبیہاً فرمایا

''مجھے اُس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے ارادہ کیا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، ادھر نماز کے لئے اذان کہی جائے، پھر ایک آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور پھر میں اُن لوگوں کا رخ کروں جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے میں ان کے گھروں کو جلا دوں''

مسجد دنیا کی تمام جگہوں سے اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور بازار تمام جگہوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ لہٰذا کسی دینی یا دنیوی ضرورت کے بغیر بازار میں نہ جائیں آج کے دور میں بلا ضرورت صرف دیکھنے اور گھومنے گچھیا بھی بازار جایا جاتا ہے جسے عرف عام میں ''ونڈو شاپنگ'' کا نام دیا جاتا ہے۔اس سے بچنا چاہیے اور مساجد میں دل لگانا چاہیے کہ یہ اللہ کی پسندیدہ جگہ ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ''جو کوئی دن کے اول حصہ میں یا دن کے آخری حصے میں مسجد کی طرف جائے اللہ اس کے لئے بہشت میں مہمانی تیار کرتا ہے (بخاری و مسلم)

حضرت ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ''جو شخص اپنے گھر سے باوضو ہو کر فرض نماز ادا کرنے کے لئے مسجد کی طرف نکلتا ہے تو اسے حج کا احرام باندھنے والے کی مانند ثواب ملتا ہے۔(سنن ابی داؤد)

نماز باجماعت ہر مومن پر لازم ہے۔نماز باجماعت کی بڑی فضیلت ہے رسولؐ اللہ کا فرمان ہے۔

جماعت کے ساتھ نماز اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ (ثواب رکھتی) ہے (بخاری و مسلم)

ایک اور دفعہ فرمایا ''آدمی کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا گھر اور بازار میں نماز پڑھنے سے بیس سے زیادہ درجے کی فضیلت رکھتا ہے۔اس لئے کہ ایک انسان جب اچھا وضو کرتا ہے اور صرف نماز کے لئے مسجد کا رخ کرتا ہے تو ہر قدم کے عوض اللہ سبحانہٗ اس کا درجہ بلند کرتا اور گناہ مٹا دیتا ہے اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد وہ جتنی دیر نماز کا انتظار کرتا ہے نماز ہی میں شمار ہوتا ہے اور فرشتے اس کے لئے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں جب تک کہ وہ نماز کی جگہ بیٹھا رہتا ہے اور اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ ''اے اللہ! اس کی مغفرت فرما اس پر رحم کر جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو جائے۔''

ماں بیوی اور بہن ہونے کی حیثیت سے بھی اپنے بیٹوں شوہروں اور بھائیوں کو مسجد میں نماز کی طرف توجہ دلانا چاہیے اگر مسجد دور ہے تو بھی اُن کے لئے ثواب میں اضافے کا باعث ہے رسولؐ اللہ کا فرمان ہے۔

''بے شک زیادہ ثواب اُن لوگوں کو حاصل ہوگا جو دور سے چل کر مسجد میں آتے ہیں'' (صحیح مسلم)

خواتین کے لئے مساجد میں نماز کی اجازت دی گئی۔رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ

''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو'' (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

البتہ وہ نہایت سادہ انداز میں مسجد میں آئیں خوشبو نہ استعمال کریں اس لئے کہ خوشبو استعمال کر کے مسجد میں آنا اُن کے لئے حلال نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''عورت خوشبو استعمال کر کے ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں نہ آئے''

ساتھ ہی آپ نے عورت کی سب سے افضل نماز اُس کی اپنے گھر میں ادا کی گئی نماز کو قرار دیا۔ارشاد فرمایا۔

''اوران کے گھران کے لئے بہتر ہیں۔''

آیئے! حالات سدھارنے کا عزم کیجیے

وطن عزیز پاکستان چاروں طرف سے خطرات کی زد میں ہے۔ یہود و ہنود اپنی ازلی دشمنی کی بناء پر دہشت گردی کے خلاف جنگ کی آڑ میں پاکستان پر حملہ آور ہیں۔ کبھی ڈرون حملوں کی صورت میں، کبھی فوج اور پولیس پر منظّم حملوں کی شکل میں مسلمانوں کے قدیم تاریخی ریکارڈ کے مطابق ہر دور میں کافروں کو ''میر جعفر اور میر صادق'' کے پیروکار میسر آ جاتے ہیں جنھیں وہ حکمران بنا کر اس طرح مسلط کر دیتا ہے کہ وہ ان کی آنکھیں بن جاتے ہیں جن سے یہ دیکھتے ہیں، کان بن جاتے ہیں جن سے سنتے ہیں، زبان بن جاتی ہیں جو وہی بولتی ہے جس سے وہ خوش ہوتے ہوں اور پھر ان کے ہاتھ پاؤں وہی کام کرتے ہیں جن سے ان کے آقا خوش ہوں۔ بدنصیبی سے پوری امت مسلمہ پر ایسے حکمران مسلط ہیں۔ خصوصاً پاکستان اپنی آزادی کے وقت سے ہی ان سامراجی طاقتوں کا تختہ مشق بنا ہوا ہے۔

اس وقت حکمران امریکہ دوستی عروج پر ہے۔ حالت یہ ہے کہ امریکہ ڈرون حملوں کے ذریعے صوبہ سرحد میں آئے روز بے گناہ افراد کو شہید کر رہا ہے۔ اور ہمارے حکمران ان کے گلے میں میڈل پہنا رہے ہیں (کیا اس سے پست دور کبھی تاریخ نے دیکھا ہوگا!) نہ صرف یہ بلکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی مسلمان اور ایٹم بردار فوج، امریکی فوج کے ساتھ مل کر ''آپریشن شیر دل'' کر رہی ہے۔ جانتے ہیں یہ شیر دل کون تھا؟ صلاح الدین ایوبیؒ کے مقابل لڑنے والا عیسائی کمانڈر رچرڈ جس کا لقب شیر دل تھا۔ حیف صد حیف۔ ''ایمان، اتحاد، تنظیم'' کے اصول رکھنے والی فوج صلاح الدین ایوبیؒ کے مقابل شیر دل کے ساتھ کھڑی ہے اور فخر کر رہی ہے، نہ صرف یہ، بلکہ ان کے ساتھ، ان کی طلب سے بڑھ کر تعاون کرتے ہوئے اپنے ہم وطنوں پر اس طرح بمباری کر رہی ہے کہ اُن کے گولوں سے درجنوں شہید ہوتے ہیں تو اِن کی فوج کشی سے سک وں، اور لاکھوں افراد امریکی اور اپنی فوج کی بمباری کی وجہ سے گھروں سے بھاگنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ اور اپنے ہی ملک میں مہاجر بن کر کیمپوں میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ جہاں نہ زندگی کی بنیادی ضروریات انھیں میسر ہیں، نہ چادر اور چار دیواری کا تحفظ۔ ایک دورے کے دوران دیکھا گیا کہ انھوں نے سردی سے بچنے کی خاطر قبر نما گڑھے کھود رکھے ہیں۔ بچوں کی تعلیم معطل ہے، بچیاں سہمی ہوئی ہیں، بوڑھے پریشان ہیں، آخر ان کا کیا قصور ہے؟ سوات کی ہنستی بستی گلیاں اور بازار اجاڑ دیے گئے ہیں، سکول بند اور کاروبار تباہ ہو چکے ہیں۔ چاہے فوج نے کیے ہیں یا طالبان کے نام پر ایجنسیوں نے۔

بلوچستان تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ ایک جانب جنگ کی آڑ میں مسک وں افراد کو پکڑ کر لاپتہ کر دیا گیا ہے اور بلوچستان کے ہوائی اڈے امریکی تصرف میں ہیں۔ دوسری جانب حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے بیرونی ایجنسیوں کو ایک مرتبہ پھر کھل کھیلنے کا موقع مل رہا ہے۔ اور پاکستان توڑنے کی باتیں سرعام کی جارہی ہیں۔

کراچی پکے ہوئے لاوے کی طرح ہے۔ اخبارات کے مطابق کراچی میں اسلحے کے ڈھیر جمع کیے جا چکے ہیں۔ اور ایک لسانی تنظیم کو ہر طرح کی غنڈہ گردی کی کھلی اجازت ہے۔ نہ اس کا محاسبہ ہے، نہ کوئی ایف آئی آر درج ہوتی ہے اور آئے دن وہاں پر ۱۲ مئی والی مشق دہرائی جاتی ہے۔ لگتا ہے اس ملک کا کوئی وارث نہیں ہے۔

ادھر حکمرانوں کی شاہ خرچیوں ، اللوں تللوں اور کرپشن کی وجہ سے دن بدن مہنگائی بڑھتی جارہی ہے۔ بجلی اور گیس کے بحرانوں کی ماری قوم کو IMF اور ورلڈ بنک کا مزید مقروض بنایا جارہا ہے۔ جو قرض کے ساتھ اپنی شرائط عائد کرتے ہیں، جو مزید افراطِ زر، بے روزگاری اور مہنگائی کا باعث بنتی ہیں۔ عورت کی برابری کے نام پر مادر پدر آزادی بھی انہی شرائط میں سے ایک ہے۔ جس کی وجہ سے بے حیائی کا ایک طوفان ملک میں برپا ہو گیا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا ہو یا پرنٹ میڈیا، آزادی اظہار کے نام پر اللہ و رسول ﷺ کی مقرر کردہ حدود کی پابندی گوارا نہیں کرتے۔ کچھ چینل اور اخبارات تو کھلم کھلا اسلام اور قرآن کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے سے باز نہیں آتے۔ میڈیا کس طرح این جی اوز اور یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے؟ اس کا ایک اندازہ پچھلے دنوں سارا دن چلائی جانے والی جعلی ویڈیو اور اس پر تبصروں سے ہو جاتا ہے۔ جس میں ایک عورت کو کوڑے مارتے دکھایا گیا تھا۔ کس طرح بغیر تحقیق کے اس ویڈیو کی آڑ میں اسلامی سزاؤں اور طالبان پر کیچڑ اچھالا گیا، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اسی طرح زیادتی کا شکار ہونے والی مختاراں مائی کو NGO's اور میڈیا نے ہیروئن بنا دیا۔ امریکہ میں اسے ہاتھوں ہاتھ لے کر پاکستان اور اسلام کو جگہ جگہ بدنام کیا گیا، اس امریکہ میں جہاں ہر منٹ میں متعدد عورتوں کی عزت پامال ہوتی ہے، جہاں سکولوں کے اندر ناشتہ اور دوپہر کے کھانے کے علاوہ مانع حمل ادویات بھی مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ اندازہ فرمایئے، مختاراں مائی ہیرو ٹھہری اور جامعہ حفصہؓ کی معصوم بچیاں دہشت گرد ! جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔ چوکوں اور چوراہوں پر سائن بورڈز پر اس طرح بے حیائی ثبت کر دی گئی ہے کہ کسی حیادار عورت کا آنکھ اٹھا کر چلنا مشکل ہے (یہاں تو بیشتر مردوں کی غیرت بھی چھن گئی ہے، کس کس چیز کا ماتم کریں!)

تعلیم کے نام پر مغربی تہذیب مسلط کی جارہی ہے۔ ایک جانب دینی مدرسوں پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کی جارہی ہیں اور دوسری جانب انگلش میڈیم سکولوں کا جال گلی محلوں میں بچھ گیا ہے۔ اور جو کسی ضابطۂ اخلاق کا پابند نہیں۔ اسلامی تاریخ اور قرآنی تعلیم فرسودہ ٹھہری اور جدیدیت کے نام پر آکسفورڈ اور آغا خان کا نصاب قوم پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک کا باشعور طبقہ اس وقت سخت

ڈیپریشن کا شکار ہے۔ تمام محبانِ وطن پریشان ہیں۔ لوگ پوچھ رہے ہیں، آخر ہمارا کیا قصور ہے۔ ہم کیوں مارے جا رہے ہیں؟ بدامنی، بھوک اور خوف کیوں ہمارے اوپر مسلط کر دیا ہے؟ ایسا کیوں ہے کہ کچھ افراد کی غلط کاریوں کی سزا پوری قوم کو ملے؟ آیئے اس کا جائزہ لیں۔

کیا اللہ کسی قوم پر ظلم کرتا ہے؟ نہیں کبھی نہیں۔ کسی قوم پر بھی یہ حالات اچانک نہیں آتے۔ بگاڑ آہستہ آہستہ پیدا ہوتا ہے۔ شروع میں چند افراد ہوتے ہیں جو غلط کام کرتے ہیں، اگر ان کا ہاتھ پکڑ لیا جائے، برائی کو وہیں روک دیا جائے تو وہ نہیں بڑھتی لیکن جب کوئی قوم اپنے اندر برائیوں کو برداشت کرتی چلی جاتی ہے تو بگاڑ بڑھتا چلا جاتا ہے اور فتنے برپا ہوتے ہیں اور پھر فتنوں کی زد میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جنھوں نے از خود گناہ تو نہیں کیا ہوتا لیکن گناہ گاروں کو منع بھی نہیں کیا ہوتا! فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

''اور بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر انھی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنھوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو۔ اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔'' (سورۃ الانفال ۲۵)

جیسے کہ اصحاب سبت کی مثال ہے۔ بچا تو صرف وہ گروہ جو خود بھی مچھلیاں پکڑنے کا گناہ نہ کرتا تھا اور دوسروں کو بھی روکتا تھا۔ لیکن وہ لوگ عذاب سے نہ بچ سکے جو خود تو مچھلیاں نہ پکڑتے تھے لیکن دوسروں کو منع نہ کرتے تھے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کہ گندگی کی وجہ سے ہیضہ یا دیگر وبائیں پھیل جائیں تو وہ لوگ بھی محفوظ نہیں رہ سکتے جن کے اپنے گھر تو صاف ستھرے ہوں لیکن گلیاں محلے گندے ہوں۔

اب دیکھیے ۲۰۰۱ء میں امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ شروع کی، پرویز مشرف صاحب، بش کے ایک فون پر ڈھیر ہو گئے اور امریکی فوج کی ہر طرح سے مدد کی حامی بھر لی۔ اڈے بھی دیے، باربرداری (Logistic Support) کی سہولت بھی۔ اس دلیل کے ساتھ کہ اگر ہم نے امریکہ کا ساتھ نہ دیا تو وہ ہمیں پتھر کے دور میں پہنچا دے گا۔ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر اگر ہم افغانستان پر بم برسانے میں اس کی مدد کریں گے تو اس آگ کی تپش کو ہماری طرف نہ آنے دے گا۔ لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ ہمسائے کے گھر میں آگ لگانے کے لیے ایندھن ہم فراہم کریں اور ہمارا گھر اس آگ سے بچ جائے۔ اگر اس وقت پوری قوم نہ سہی اکثریت ہی اٹھ کھڑی ہوتی اور مشرف پر ان گھناؤنے اقدامات سے باز رہنے کے لیے دباؤ ڈالتی تو آج ہمارے باجوڑ، سوات اور دیگر شہر آگ اور بارود میں گھرے ہوئے نہ ہوتے، نہ ہی لوگ اپنے ہی وطن میں مہاجر ہوتے۔

پہلا ڈرون حملہ ڈمہ ڈولا پر ہوا جس میں ۸۰ (اسی) کے قریب حفاظ شہید ہو گئے۔ اس اقدام پر احتجاج کرتے ہوئے جماعت اسلامی کے ایم این اے ہارون رشید صاحب نے اسمبلی سے استعفیٰ دے دیا۔ اگر قوم نے متحد ہو کر اس وقت حکومت پر دباؤ ڈالا ہوتا تو شاید امریکی جسارت اس حد تک نہ بڑھتی۔ پھر مجاہدین کو پکڑ پکڑ کر حقیر رقم کے عوض بیچا گیا۔ پھر لال مسجد میں سک وں گمنام شہداء کا خون ابھی تازہ

ہی ہے جہاں معصوم طلبا و طالبات کو آمریت کی بھینٹ چڑھا دیا گیا، یہی نہیں قرآن و حدیث کے مقدس اوراق کی بے حرمتی بھی ہمارے دامن پکڑ کر سوال کر رہی ہے کہ اے امت مسلمہ تمھاری غیرت کہاں گئی؟ بات نکلی تو آگے ہی بڑھی، ڈمہ ڈولا سے شروع ہونے والا سفر باجوڑ، سوات کے بعد اب بلوچستان کے پہاڑوں کو امریکہ کے ساتھ ساتھ اپنی ہی فوج کے ہاتھوں مسلمانوں کے خون سے رنگین کر رہا ہے۔ وہ جو محض لاجسٹک سپورٹ کو راستہ دینے کی اعانت تھی، وہ اب خودکش دھماکوں کے ان گنت سلسلوں تک جا پہنچی ہے۔

تہذیبی و ثقافتی میدان کی مثال دیکھیے! بے حیائی پر مبنی پہلا ڈرامہ، پہلا گندہ اشتہار اجتماعی بے حسی کا شکار نہ ہوتا تو آج ایسی صورتحال نہ ہوتی کہ فحاشی و عریانی کا سیلاب خاندانی، معاشرتی اور اخلاقی نظام کی دھجیاں بکھیر رہا ہے۔ کیا ان جرائم پر خاموش رہنا گناہ نہیں؟ کیا اللہ کی طرف رجوع نہ کرنا گناہ نہیں؟ اللہ تو بار بار پلٹنے کا موقع دیتا ہے۔ آٹھ اکتوبر کا زلزلہ آیا اللہ نے تنبیہ کی۔ پھر کتنوں نے توبہ کی؟ کس کس نے زندگی کی ڈگر بدلی؟ کتنے لوگ ایسے تھے جنھوں نے اپنا رخ اللہ کی طرف کر لیا؟ کس کس چیز کا فرق پڑا اس معاشرے میں؟ پھر کہتے ہیں آخر ہم کیوں مارے جائیں؟

''پھر کیوں نہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہل خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم، جن کو ہم نے ان قوموں میں سے بچا لیا۔ ورنہ ظالم لوگ تو انھی مزوں کے پیچھے پڑے رہے جن کے سامان انھیں فراوانی کے ساتھ دیے گئے تھے اور وہ مجرم بن کر رہے۔'' (سورہ ہود:۱۱۶)

ہاں اے قوم! جب کوئی اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرائض ترک کر دیتی ہے۔ غلط اور صحیح، معروف و منکر کے لیے قرآن و سنت سے ہٹ کر دیگر پیمانے مقرر کر لیتی ہے تو اسی طرح فتنوں کی زد میں آ جاتی ہے۔ کتنا سچ فرمایا تھا پیارے نبی ﷺ نے!

''لوگو! اس وقت تمھارا کیا حال ہو گا جب تمھاری عورتیں حدود سے نکل پڑیں گی۔ تمھارے جوان نافرمان ہو جائیں گے اور تم جہاد کو چھوڑ بیٹھو گے۔''

صحابہؓ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا واقعی ایسا بھی ہو گا؟''

آپ ﷺ نے فرمایا، ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، عنقریب اس سے بھی بڑھ کر ہو گا۔''

صحابہؓ نے عرض کیا، ''اس سے بڑھ کر کیا ہو گا؟''

آپ ﷺ نے فرمایا، اس وقت تمھارا کیا حال ہو گا جب تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھو گے!''

صحابہؓ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ایسا بھی ہونے والا ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا، ''ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس سے بھی زیادہ ہو گا۔''

صحابہؓ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ اس سے زیادہ اور کیا ہو گا؟''

آپ ﷺ نے فرمایا، ''اس وقت تمھارا کیا حال ہو گا

جب تم معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھنے لگو گے؟'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ (جب ایسی صورتحال ہو جائے گی تو) میں ان کے لیے ایسا فتنہ برپا کردوں گا جس میں صاحبان عقل و ہوش حیران و ششدر رہ جائیں گے۔''

(ابن ابی الدنیا چند لمحات کلام نبویؐ کی صحبت میں صفحہ ۱۶، از خرم مراد)

اس وقت کے حالات دیکھیے درج بالا تمام علامات پوری طرح عیاں ہیں اور فتنوں پر فتنے نازل ہو رہے ہیں۔ عقلیں حیران ہیں۔ ہم پریشان ہیں، کیا کریں، کدھر جائیں۔ اس وقت ضرورت ہے کہ ملک کا باشعور طبقہ آگے بڑھے اور اپنا فرض ادا کرے اور قوم کو اس کا بھولا ہوا سبق اور وعدہ یاد دلائے جو اس نے پاکستان بناتے وقت اللہ سے کیا تھا کہ ''پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ''۔ اور اس ضمن میں تین کام کرنے اور کروانے کی سعی کی جائے۔

۱۔ رجوع الی اللہ اور استغفار:

اے قوم آؤ اپنے ۶۴ سالہ گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔ ہم نے ملک اللہ کے نام پر حاصل کیا اور امریکہ کے پاس گروی رکھ دیا، مقصود و مطلوب امریکہ کی رضا بنالی۔ اے قوم! پلٹ آؤ اپنا رخ کعبے کی طرف پھیر لو! اللہ کی طرف پھیر لو! آؤ سب مل کر اللہ سے استغفار کریں۔ قوم یونسؑ نے توبہ کی۔ اللہ نے ان پر آیا ہوا عذاب ٹال دیا، عذاب کا فیصلہ رحمت میں بدل گیا۔ اگر استغفار کریں گے تو چاروں جانب سے منڈلاتے عذاب رحمت میں بدل جائیں گے۔ اللہ دلوں کو پھر ہدایت عطا فرمائے گا اور ہمارے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو جائے گی کہ درست اور غلط میں تمیز کر سکیں۔ دوست اور دشمن کا فرق سمجھ سکیں۔ دوستی اور دشمنی کے معیار سمجھ میں آ سکیں، اور درست داخلی و خارجی فیصلے کر سکیں۔

حضرت علیؓ کے فرمان کے مطابق:

''توبہ اس چیز کا نام ہے کہ آدمی (i) جو کچھ ہو چکا ہو، اس پر نادم ہو، (ii) جن فرائض سے غفلت برتی ہو، ان کو ادا کرے۔ (iii) جس کا حق مارا ہو، اس کو واپس کرے۔ (iv) جس کو تکلیف پہنچائی ہو، اس سے معافی مانگے۔ (v) آئندہ عزم کرے کہ اس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا۔ (vi) اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں اس طرح گھلا دے جس طرح اب تک اسے معصیت کا خوگر بنائے رکھا، اور اس کو اطاعت کی تلخی کا مزا چکھائے جس طرح اب تک اسے معصیت کی حلاوت کا مزا چکھاتا رہا۔''

گویا یہ مکمل طور پر خود کو بدل دینے، اپنا رخ اللہ کی طرف پھیر دینے، آخرت کے حساب کتاب کی فکر کرنے اور احساسِ ذمہ داری بیدار کرنے کا نام ہے۔

لہٰذا آیئے گذشتہ پر احساس ندامت کرتے ہوئے، اب انفرادی و اجتماعی برائیاں چھوڑ دینے کا عزم کریں، اپنے فرائض ذمہ داری سے ادا کرنے کا عہد کریں۔ ہماری معاشرے میں جو بھی حیثیت ہے، مرد ہیں یا عورت، والدین ہیں یا اولاد، معاشرے کی تعمیر و اصلاح میں اپنے حصے کا کردار ادا کریں۔ معاملات میں احسان کا رویہ رکھیں۔ محض

حقوق کا مطالبہ نہ کریں، بلکہ فرائض کو آگے بڑھ کر احسن طریقے سے ادا کریں۔ ہم میں سے کوئی سرکاری افسر ہے یا ذاتی کام کرنے والا، ڈاکٹر ہے یا انجینئر، تاجر ہے یا مزدور، کسان، استاد ہے یا طالب علم، ہر فرد سچائی اور امانت و دیانت کے راستے پر چلنے کا عہد کرے، بد دیانتی اور کرپشن چھوڑ دے۔ ہر معاملہ اور ہر کام اللہ سے ڈرتے ہوئے کرے۔ یہی رجوع الی اللہ ہے، یہی توبہ واستغفار ہے، اور اس کی بہت برکات ہیں۔

''اگر یہ اہل کتاب ایمان لے آتے اور خدا ترسی کی روش اختیار کرتے تو ہم ان کی برائیاں ان سے دور کر دیتے، ان کو نعمت بھری جنتوں میں پہنچاتے۔'' (سورۃ المائدہ ۶۵)

جب کوئی قوم اس طرح توبہ کرتی ہے تو اللہ اجتماعی تقویٰ بھی عطا فرماتا ہے۔ پھر قوم کی برائیاں، بھلائیوں میں بدل جاتی ہیں۔ قتل و غارتگری رک جاتی ہے، اس لیے کہ کوئی اللہ سے ڈرنے والا کسی بے گناہ پر ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ (ہاں مجاہدین کے نام سے دشمنانِ دین، ایجنسیاں اور ان کے آلہ کار ان میں شامل ہو کر مجاہدین اور اسلام کو بدنام کرنے کے لیے یہ کام کرتے ہیں۔) اتحاد و اتفاق پیدا ہوتا ہے۔ پھر ایسی قوم پر دشمن بھی ہاتھ ڈالنے سے پہلے سو مرتبہ سوچتا ہے۔ اللہ دشمنانِ دین پر مومنین کا رعب ڈال دیتا ہے۔

یہ درست ہے کہ ہمیں موجودہ دور کی ٹیکنالوجی کی بھی ضرورت ہے، سائنس کی بھی ضرورت ہے، ہتھیاروں کی بھی ضرورت ہے لیکن ہم تو ایٹمی طاقت ہیں اور بھیگی بلی بنے بیٹھے ہیں۔ ہمارے پاس ڈرون طیاروں کو مار گرانے کے لیے توپیں موجود ہیں لیکن انھیں استعمال کرنے والا ایمان نہیں، اس لیے کہ ہم اللہ رب العزت سے نہیں، امریکہ سے ڈرتے ہیں۔ دل تقویٰ اور خوفِ خدا سے خالی ہیں۔ اگر تقویٰ اور خوفِ خدا نہیں تو نہ ایٹم بم کسی کام کا ہے نہ توپیں۔ دشمن سے لڑنے کے لیے ساز و سامان اور ہتھیار ضروری ہیں لیکن یہ سب ایمان، تقویٰ اور جذبہ جہاد کے بغیر بے کار ہیں۔ لہٰذا اولین کام رجوع الی اللہ ہے۔ پھر تمام دنیوی و حربی ضروریات کی طرف متوجہ ہونا ہے (جن کی ہمارے پاس کمی بھی نہیں)۔

استغفار سے اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ بارشیں برستی ہیں اور رزق میں برکت ملتی ہے۔ غربت کم ہوتی ہے۔

''اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، تمھیں مال اور اولاد سے نواز دے گا، تمھارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمھارے لیے نہریں جاری کر دے گا۔'' (سورۃ نوح ۱۰-۱۲)

نہ صرف رزق کی برکات ملتی ہیں، بلکہ اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ اس قوم کو عذاب نہیں دیتا، جو اللہ سے استغفار کرتی ہے۔ اے قوم! استغفار اللہ کے عذاب سے آڑ ہے!

''اور اللہ کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ لوگ استغفار کر رہے ہوں اور وہ ان کو عذاب دے دے۔'' (سورۃ الانفال ۳۳)

اس وقت اللہ کا عذاب ہمارے سر پر منڈلا رہا ہے۔ اے قوم! آؤ، اللہ سے معافی مانگ لیں، اس کی طرف

رجوع کرلیں۔ وہ بہت غفور الرحیم ہے۔

۲۔قرآن کو تھام لیں!

ہدایت اور روشنی مغرب میں نہیں۔قرآن میں ہے۔ فتنوں سے بچانے والی، راہنمائی دینے والی کتاب قرآن ہے مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔قرآن وسنت ہر موقع پر اس کی راہنمائی کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے:

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے: ''خبردار رہو! عنقریب ایک فتنہ برپا ہونے والا ہے'' میں نے عرض کیا۔''یا رسول اللہ ﷺ اس فتنے سے بچنے کی صورت کیا ہوگی؟'' فرمایا''کتاب اللہ، اس میں اس چیز کی خبر بھی ہے کہ تم سے پہلی قوموں پر کیا گزری۔اس بات کی خبر بھی ہے کہ تمھارے بعد آنے والوں پر کیا گزرے گی۔اور اس چیز کا ذکر بھی ہے کہ تمھارے معاملات کے درمیان فیصلہ کرنے کی صورت کیا ہے۔ یہ قرآن ایک سنجیدہ اور فیصلہ کن کلام ہے۔کوئی مذاق کی چیز نہیں ہے۔ جو کوئی ظالم اور جابر شخص اس قرآن کو چھوڑے گا۔اللہ تعالیٰ اس کو کچل کر رکھ دے گا۔اور جس نے اسے چھوڑ کر کہیں اور ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی اللہ اسے گمراہ کر دے گا۔'' (فضائل القرآن، صفحہ نمبر ۷۷، از سید مودودیؒ)

یعنی ہر دور میں فتنوں سے بچانے اور گمراہیوں میں راہ راست دکھانے والی کتاب قرآن ہے۔ جو یہ بتاتی ہے کہ جنھوں نے اسے چھوڑ کر کہیں اور سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی، وہ گمراہی، تباہی اور بے راہ روی کے کس کس گڑھے میں گرے۔ اور اس طرح اللہ کے عذاب کا شکار ہوئے! عاد وثمود اپنے دور کی سپر پاور تھیں، فرعون ونمرود بش اور اوباما سے بڑے لیڈر تھے جنھیں ان کی قومیں صدر ہی نہیں خدا بھی مانتی تھیں اور سجدے بھی کرتی تھیں۔قرآن بتاتا ہے کہ ان کا اور ان کی قوموں کا کیا حال ہوا؟ اور ان کی بے خدا تہذیبیں کس طرح زوال اور اللہ کے عذاب کا شکار ہوئیں۔ دیکھیں، قرآن بتاتا ہے کہ وہ کون کون سے گناہ کرتے تھے اور کس کس عذاب کا شکار ہوئے۔

☆ حضرت نوحؑ کی قوم:

جرم: شرک، اللہ کی نافرمانی، نبیؑ کا انکار ومذاق۔

سزا: بارش اور سیلاب میں غرق کر دیے گئے۔

☆ حضرت لوطؑ کی قوم:

ہم جنس پرستی، نبیؑ کی نافرمانی، اور تکبر۔ پتھروں کی بارش وآندھی سے ہلاک کر دیے گئے۔

☆ حضرت شعیبؑ کی قوم:

اللہ کی راہ پر چلنے والوں کو روکنے، ناپ تول میں کمی کا چلن عام تھا۔زلزلہ اور آگ کے عذاب میں گرفتار ہوئے۔

☆ حضرت موسیٰؑ کی قوم:

فرعون کی پیروی، کتاب اللہ میں تحریف، شرک۔

سمندر میں غرق، صورتوں کو مسخ کیا جانا۔

فساد فی الارض، جہاد سے منہ موڑنا، اور حیل وحجت کرنا (بندر بنائے گئے)، طاعون کی وبا کا شکار ۴۰ سال تک اللہ سے کیے ہوئے وعدے پورے نہ کرنا دربدر رہے۔ امامت ملنے کے بعد دھتکار دیے گئے۔

☆ حضرت ہودؑ کی قوم:

نبی علیہ السلام کو جھٹلا کر باپ دادا کی پیروی، سرکشی، غرور۔ سخت ہوا کا طوفان، کئی دن رات تک چلنے والی آندھی سے ہلاک کر دیے گئے۔

☆ حضرت صالحؑ کی قوم:

شرک، تکبر و ڈھٹائی کے ساتھ انکارِ حق، اللہ کی نشانی پر دست درازی، سخت چنگھاڑ، زلزلہ۔

اے قوم! جائزہ لیں، ہم حاملین قرآن ہو کر، کہیں یہ سب تو نہیں کرتے.....! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''قرآن فیصلہ کن کلام ہے مذاق نہیں''۔ کیا آج ہم نے قرآن کو مذاق نہیں بنا لیا۔ یہ تو ہدایت کے لیے آیا تھا، ہم نے محض فاتحہ پر پڑھنے کے لیے رکھ لیا۔ ہم نے فزکس، کیمسٹری تو ٹیوشن رکھ رکھ کر بچوں کو سکھائی۔ قرآن کا ناظرہ پڑھا کر مطمئن ہو گئے۔ بے حیائی اور گناہوں سے پر شادی کا فنکشن کیا اور نیم برہنہ دلہن کی رخصتی کے وقت اس کو قرآن کے نیچے سے گزارا، اس سے بڑا مذاق قرآن کے ساتھ اور کیا ہو گا؟ ہم نے برکت کے لیے قرآن اور ہدایت کے لیے آکسفورڈ کا نصاب رکھ لیا۔ اس سے بڑا مذاق اور کیا ہو گا؟

اے قوم! جان لو۔ دنیا میں اندھیرا ہے، روشنی قرآن ہے۔ اے قوم! آؤ قرآن کو تھام لو۔ اللہ کے دامن میں پناہ لے لو۔ مغرب سے روشنی نہ درآمد کرو۔ وہ تو اندھیروں کے پجاری ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سن کر ڈر جاؤ کہ جس نے اس قرآن کو چھوڑ کر کہیں اور سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی، اللہ اسے گمراہ کر دے گا۔ اے قوم! ان کی زوال پذیر تہذیب کے پیچھے نہ بھاگو۔ ورنہ تباہی اور زوال سے دنیا کی کوئی طاقت نہ بچا سکے گی۔ روشنیوں کے نام پر اندھیرے پھیلانے والوں کو پہچان لو۔ اور اللہ کے حکم کی اطاعت کرو۔ ''دین میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔'' (سورۃ البقرہ ۲۰۸)

دورنگی اور منافقت چھوڑ دیں، قرآن و حدیث کا علم حاصل کریں اور زندگی اس کے مطابق ڈھال لیں۔ نہ صرف اپنی زندگی قرآن و سنت کے مطابق بنانی ہے بلکہ قرآن کو لے کر جہاد کرنا ہے۔ جہالت و بے دینی کے خلاف بھی اور لادین مغربی تہذیب کے خلاف بھی۔ اللہ کا فرمان ہے:

''اور قرآن کو لے کر ان کے ساتھ جہاد کبیر کریں۔'' (سورۃ الفرقان ۵۲)

اے قوم! آؤ، قرآن کی دعوت لے کر اٹھیں اور دنیا پر چھا جائیں۔ گھر گھر قرآن کی تعلیم والا مدرسہ بن جائیں تو یہ لوگ کتنے مدرسے بند کروائیں گے۔ قوم کا بچہ بچہ قرآنی کردار کا حامل بن جائے، قرآن کی مجسم دعوت بن جائے تو اس قوم کو دنیا کی کوئی طاقت زیر نہیں کر سکتی۔ اور یہ کام قوم کی مائیں کر سکتی ہیں۔ یہ کام قوم کے اساتذہ کر سکتے ہیں۔ نصابِ باطل کا توڑ، ہماری ماؤں اور اساتذہ کا قرآنی کردار ادا کر سکتا ہے۔ قرآنی حلقے سے جڑیے، قرآن سیکھیے اور سکھائیے۔ قرآن کی طرف دعوت دیجیے۔ قرآن کو نظامِ تعلیم کی بنیاد بنائیے! بے خدا تعلیم کو باخدا بنائیے۔ پھر دیکھیے خود فزکس اللہ کی توحید بیان کرے گی۔ کیمسٹری کے ایٹم اللہ کی عظمت کی جھلک دکھائیں گے، بائیو کے سیل پکار پکار کر اللہ کے عجائب کی تفصیلات بتائیں گے۔ ہم

ترقی کریں گے اور اللہ کی رحمت کے سائے میں کریں گے۔
اے قوم! کتاب اللہ کے اعجازات کو سمجھ لو، جان لو۔

''کاش انھوں نے تورات اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا، جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں، ایسا کرتے تو ان کے لیے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے ابلتا۔'' (سورۃ المائدہ ٦٦)

یاد رکھو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو کوئی ظالم اور جبار اس قرآن کو چھوڑے گا، اللہ اس کو کچل کر رکھ دے گا۔ کہیں امت مسلمہ اسی لیے تو نہیں کچلی جا رہی کہ یہ قرآن چھوڑ کر دیار مغرب سے روشنی لینے جا رہی ہے جن کے پاس اندھیروں کے سوا کچھ نہیں۔ اور اس قرآن کو تھام کر ہمیں اپنے ملک اور بالآخر پوری دنیا کا نظام اس کے تابع کرنا ہے۔
اور اگر اس قرآن کا نفاذ نہیں کرتے تو کسی اصل پر نہیں۔

''کہہ دو کہ اے اہل کتاب! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو، جب تک کہ تورات اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔'' (سورۃ المائدہ ٦٨)

٣۔ نظام کو بدلنے کی جدوجہد:

اس لئے کہ کتاب اللہ کا نفاذ ان کرپٹ حکومتوں کے ہاتھوں نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے ہمیں موجودہ نظام کو بدل کر اسلامی بنانا ہوگا اور ''اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک قوم خود اپنے حالات کو بدلنے کی سعی نہیں کرتی۔'' (سورۃ الرعد:١١)

اگر قوم موجودہ نظام باطل پر مطمئن رہے گی جبکہ نظام حکومت مغرب پرستوں کے ہاتھ میں، نظام تعلیم انگریزوں کا بنایا ہوا، نظام عدل اسلامی روح عدل سے خالی اور خاندانی نظام تیزی سے مغربی تہذیب میں رنگتا ہوا..... تو طاغوتی قوتیں اسلامی جمہوریہ پاکستان کو اسی طرح لندن اور پیرس بنا دینے کے درپے رہیں گی (ترقی میں نہیں باطل تہذیب میں)۔

آج اگر قوم اس نظام کو بدلنے کی جدوجہد نہ کرے گی تو اللہ نہ کرے کل کو ہمارے ہاں بھی بن بیاہے ماں باپ کی کثرت ہو جائے، ناجائز بچوں کی تعداد زیادہ ہو جائے، عورتیں آزاد اور بچے بے قابو ہو جائیں اور بوڑھے والدین کے پاس اولڈ ہاؤسز کے علاوہ کوئی پناہ نہ ہو۔

اے قوم! نہ اٹھیں گے تو اس سیلاب سے کیسے بچ پائیں گے۔ یہ نظام حکومت، یہ نظام تعلیم، اس نے ہماری قوم کو ٦٢ سالوں میں کیا سے کیا بنا دیا ہے۔ کیا ہمیں احساسِ زیاں ہے ؟ کیا ہمیں معلوم ہے ہم نے کیا کچھ کھو دیا ہے ؟ مزید کتنا نقصان اٹھانا ہے۔

قوم! مغرب کے کاسہ لیس حکمرانوں کو بدلنے کی کوشش کب کروگے؟ جب یہ ہماری آزادی مکمل طور پر امریکہ کی غلامی میں بدل دیں گے۔ جب پاکستان کو ترکی بنا دیا جائے گا، جہاں مدرسوں پر ہی پابندی نہیں عربی اذان پر بھی پابندی لگا دی گئی تھی۔ (ترک قوم نے تو رجوع الی اللہ کرلیا ہے۔ اور رفتہ رفتہ اسلام کی عظمت بحال ہورہی ہے) یا پاکستان کو وسط ایشیائی ریاستوں کی طرح بنا دیا جائے گا جہاں بوڑھے باپ تہہ خانوں میں جا کر قرآن اولاد کے حوالے کرتے تھے کہ کسی کو

معلوم نہ ہو جائے اور پکڑے نہ جائیں۔اے قوم! ہوش میں آجاؤ۔ نبی کریم ﷺ تو بندوں کو بندوں کی غلامی سے چھڑا کر اللہ کی غلامی میں دینے کے لئے تشریف لائے تھے اور آج کے یہ حکمران خود بھی بندوں کے غلام ہیں اور قوم کو بھی اپنی اور امریکی غلامی میں دے دینا چاہتے ہیں۔دیدہ دلیری سے ایک طاغوتی نظام ہمارے اوپر مسلط کر دیا گیا ہے۔

اب وقت ہے کہ تمام محبّ وطن با شعور جماعتیں اور گروہ متحد ہوں اور عہد کریں کہ پاکستان کو سیکولر اور بے دین نہ بننے دیں گے، اس کو امریکی ریاست نہ بننے دیں گے۔امریکہ اور اسکے حواریوں کو ملک سے نکال کر دم لیں گے۔ ایوان صدر اور وزیر اعظم ہاؤس جب تک قرآن کے تابع نہ ہونگے، ملک کو سیکولر بننے سے روکا نہیں جا سکتا۔پاکستان کے نظام کو اسلامی نظام بنانے کے لئے پرامن جدوجہد کریں گے۔قرآنی تعلیمات کو عام کریں گے، سیاست کو قرآن سے رہنمائی دیں گے،اس لئے کہ اس کو چنگیزی بننے سے بچانے والی اور کوئی چیز نہیں۔

اس کے لئے ساری قوم کو یا کم از کم ان افراد کو جو دین سمجھ چکے ہیں،نکل کر دوسروں تک اللہ کا پیغام پہنچانا ہوگا، زبان وقلم مال و جان سے جہاد کرنا ہوگا، (زبان وقلم سے ووٹ کی طاقت سمجھایئے، چلے ہوئے کارتوسوں کا خالی پن سمجھایئے) قلم کے تقدس کو پامال ہونے سے بچانا ہوگا ،زرخرید قلم کاروں کی دانشوری سے قوم کو آگاہ کرنا ہوگا، مال کا اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے استعمال کرنا سیکھنا اور سکھانا ہوگا اور اتنی جدوجہد، اتنا جہاد کہ جان بھی کام آجائے لیکن یہ تو کسی کسی کا نصیب ہے۔کیا ہم اتنے خوش نصیب نہیں بن سکتے ؟ اللہ کے وعدے کتنے سچے اور پیارے ہیں۔اس کا وعدہ ہے ہم اصلاح کے کام میں لگ جائیں، وہ عذاب ٹال دے گا۔

''تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ناحق تباہ کر دے حالانکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں۔'' (سورۃ ہود:۱۱۷)

خسارے اور عذاب سے بچنے کچھیا اللہ نفع بخش تجارت کی دعوت دیتا ہے۔کیسی تجارت؟

''اے لوگو! ایمان لائے ہو، بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذاب الیم سے بچا دے۔اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو، یہی تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم جانو۔'' (سورۃ الصّف:۱۰،۱۱)

اور اگر ہم اللہ کے ساتھ یہ تجارت نہیں کرتے اور ساری سعی و جہد نظام باطل کے ساتھ ہی رہتی ہے یا خاموش رہتے ہیں (یاد رکھیے نظام باطل کے غلبے کے تحت خاموش رہنا اس کو تقویب دینا ہے) تو پھر اللہ کا فرمان کیا ہے:

''تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔'' (سورۃ توبہ:۳۹)

''اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔'' (سورۃ محمد:۳۸)

اللہ کے دین کو تو غالب ہونا ہے ان شاء اللہ۔ ہم دنیا میں مگن رہیں گے، رجوع الی اللہ نہ کریں گے، قرآن کو چھوڑ کر کہیں اور سے ہدایت حاصل کریں گے، اللہ کے دین کی نصرت نہ کریں گے نظام باطل پر مطمئن رہیں گے تو اللہ ایسے لوگوں پر عذاب نازل کرنے کا اعلان فرماتا ہے اور یہ اعزاز اور لوگوں کو بخش دیتا ہے کہ وہ اس کے دین کے لئے محنت کریں اور دنیا و آخرت میں سربلندی حاصل کریں اور انکار کرنیوالے دشمنانِ دین کے حملوں کی زد میں ہی رہیں، اللہ کی نصرت سے محروم رہیں۔

اے قوم! آؤ رجوع الی اللہ کرلیں۔ قرآن کو تھام کر نظام اس کے تابع کرلیں۔

آپ اس کے لئے تیار ہیں تو دستِ تعاون بڑھایئے

☆☆!

کتاب سے رشتہ مضبوط کیجئے!

ورلڈ بک اینڈ کاپی رائٹ ڈے پر منعقدہ سیمینار کی روداد

23 اپریل کو پاکستان سمیت دنیا بھر میں ورلڈ بک اینڈ کاپی رائٹ ڈے منایا گیا۔اس دن کو منائے جانے کا بنیادی مقصد لوگوں کو کتاب کی طرف راغب کرنا اور مصنفین کے حقوق کا تحفظ ہے، اس موقع پر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ریجنل کیمپس لاہور نے پاکستان لائبریری ایسوسی ایشن (PLA) اور پاکستان لائبریرین ویلفیئر آرگنائزیشن (PLWO) کے تعاون سے ایک سیمینار منعقد کیا جس کی صدارت معروف کالم نگار منو بھائی نے کی جبکہ اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر نذیر احمد سانگی تقریب کے مہمان خصوصی تھے۔

سیمینار میں یونیورسٹی کے طلبہ و طالبات کے علاوہ مختلف یونیورسٹیوں سے وابستہ اساتذہ اور دانشوروں نے شرکت کی جن میں پنجاب یونیورسٹی، لمز، کنیئر ڈ کالج کے مدرسین شامل تھے۔

سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر عظمیٰ ریاض نے کہا کہ آج الیکٹرانک میڈیا کے دور میں کتاب سے ہمارا رشتہ کمزور پڑتا جا رہا ہے۔کتابوں کے مطالعہ سے نہ صرف انسان کا شعور بلند ہوتا ہے بلکہ دنیا میں آگے بڑھنے کے لیے نئی راہیں میسر آتی ہیں۔کتاب انسان کو ذخیرۂ الفاظ مہیا کرتی ہے۔ہمیں نئی نسل کا رشتہ کتاب سے جوڑنے کے لیے محنت کرنا ہوگی۔کتاب تحفہ دینے کا رواج ڈالیے، سالگرہ، امتحان میں کامیابی یا دیگر مواقع پر تحفہ خریدتے وقت کتاب کا انتخاب کیجیے۔بچوں کو کتاب کھول کر کہانی سنایئے تاکہ وہ کہانی کے ساتھ ساتھ کتاب سے بھی مربوط ہوں۔

پنجاب یونیورسٹی سے پروفیسر ڈاکٹر خالد محمود ملک نے ڈاکٹر عظمیٰ ملک کی تجاویز کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ اس بات کی ضرورت ہے کہ طباعت کے کام کو انڈسٹری کا درجہ دیا جائے تاکہ اسے بھی وہ تمام سہولیات حاصل ہوسکیں جو دیگر انڈسٹریز کو حاصل ہیں۔مصنفین کو کتب شائع کرنے کے لیے سبسڈی دی جائے اور کتاب کو فروغ دینے کے لیے حکومتی سطح پر اقدامات کیے جائیں۔

ڈائریکٹر جنرل اردو سائنس بورڈ ڈاکٹر عبدالغفور راشد نے کہا کہ علم اور کتاب سے انسان کا بنیادی، جبلی اور فطری تعلق ہے، جس طرح خون اس کے جسم میں گردش کرتا ہے۔ انسان کو دوسری مخلوقات پر برتری ہی علم کی بنیاد پر دی گئی ہے۔کتاب علم کے حصول کا بنیادی ذریعہ ہے۔ہمیں قرآن جیسی کتاب عطا کی گئی اور قرآن کا مطلب ہی بار بار پڑھی جانے والی کتاب ہے۔کتاب پڑھنے ہی کے لیے ہوتی ہے، سجانے کے لیے نہیں ہوتی۔ہمیں کتاب کی حیثیت بھی بحال کرنی ہے اور معاشرے میں معلم کے مقام کا بھی احترام کرنا

ہے۔ اگر ہمیں بحیثیت سماج خود کو باوقار بنانا ہے اور بہتر قوموں سے مقابلہ کرنا ہے تو کتاب کو فروغ دینا ہوگا۔

جناح ڈگری کالج کی پرنسپل ڈاکٹر طاہرہ سکندر نے کہا کہ میں خود اس معاشرے کی ڈسی ہوئی ہوں جہاں قدم قدم پر حصولِ علم کے راستے بند کیے جاتے ہیں، علم کے ماخذ تک رہنمائی کرنا تو درکنار، اگر کوئی خود محنت کر کے پہنچ بھی جائے تو تعاون سے انکار کر دیا جاتا ہے۔ ٹی وی، اخبارات اور بڑے بڑے فورموں پر بڑی بڑی باتیں بگھارنے والے دانشور حضرات علم و تحقیق کے طالب علموں کو اپنے خزانوں سے ذرا سا بھی مہیا کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ وہ اپنی لائبریریوں سے کسی کو استفادہ نہیں کرنے دیتے۔ کالجوں کی لائبریریاں طالب علموں کے لیے نہ ہونے کے برابر ہیں کیونکہ کتابیں خراب ہو جانے اور کھو جانے کے ڈر سے ایشو ہی نہیں کی جاتیں اور کتب مانگنے والے طلبہ کی شدید حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہماری نئی نسل اب کتابوں سے ہی دور ہو گئی ہے۔ ہمیں فوری طور پر تعلیمی ایمرجنسی نافذ کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کے تحت ہر گلی محلّہ میں لائبریریاں قائم کی جائیں۔ ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنا علم و ادب کا سرمایہ یورپ کے ہاتھوں میں دے دیا اور آج ہم خود علم سے تہی اور کتاب سے دور ہو چکے ہیں۔ یہ بڑی بدنصیبی کی بات ہے۔ آج اہل مغرب کو دیکھیں وہ علم کی کتنی زیادہ قدر کرتے ہیں اور معاشرے کی علمی سطح بلند کرنے کے لیے کتنے فکرمند رہتے ہیں۔

پاکستان لائبریری ایسوسی ایشن کے صدر اور پنجاب یونیورسٹی کے چیف لائبریرین چوہدری محمد حنیف نے کہا کہ ہمیں خوشی ہے کہ گزشتہ سال ہماری لائبریری کی ممبرشپ میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ ہم طالب علموں کے استفادے کو ممکنہ حد تک بڑھانے کے لیے قوانین میں نرمی کرنے کے لیے بھی تیار ہیں۔ ریسرچ اور دیگر کاموں کے لیے جو بھی طلبہ و طالبات ہم سے رجوع کریں گے ان شاء اللہ ہمیں پوری طرح تعاون پر آمادہ پائیں گے۔

مہمان خصوصی وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر نذیر احمد سانگی نے کہا کہ جو کتاب لکھی جاتی ہے، اس کا حق ہے کہ اس کو پڑھا جائے۔ **اطیعو اللہ واطیعو الرسول** تحت طلب علم ہم پر فریضہ ہے۔ اسی لیے مہد سے لحد تک علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہم وہ قوم ہیں جس کی کتاب اسے علم، عقل، تدبر اور ارتقا کا حکم دیتی ہے۔ تاہم میں یہ بھی ضرور کہوں گا کہ اچھی کتاب لکھیں اور اچھی کتاب پڑھیں۔ نیز آج کے جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے بھی اگر کتاب کا مطالعہ کیا جا رہا ہے تو یہ بھی کتاب خوانی ہی کی صف میں آتا ہے۔ ابلاغ اور علم کے ذرائع ہمیشہ مختلف رہے ہیں۔ مثلاً حضرت آدمؑ کو القا ہوا، حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا گیا اور حضور ﷺ کو بیان عطا ہوا۔

میں مقررین کی ان باتوں سے مکمل اتفاق رکھتا ہوں کہ ہمیں کتاب کو سجا کر نہیں رکھنا بلکہ اس سے استفادے کے راستے کھولنے اور آسان کرنے ہیں۔ کتاب خوانی کا رجحان

ہمیں فوری طور پر تعلیمی ایمرجنسی نافذ کرنے کی ضرورت ہے جس کے تحت ہر گلی محلّہ میں لائبریریاں قائم کی جائیں۔

بڑھانا ہے۔ ہماری یونیورسٹی ہر طالب علم کو انتہائی مناسب فیس کے اندر ہی کتب فراہم کرتی ہے اور یہ سہولت ہماری یونیورسٹی میں ہر سطح پر زیر تعلیم طلبہ کو میسر ہے جن کی مجموعی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ اب ہم اپنے طلبہ کو مزید سہولت دینے کے لیے مقامی لائبریریوں کے ساتھ مربوط ہونا چاہ رہے ہیں، جس کے لیے لائبریری ایسوسی ایشن بھی ہمارے ساتھ تعاون پر پوری طرح آمادہ ہے۔ ہم نے اپنے طلبہ کے لیے جہاں بہت سے ایوارڈ جاری کر رکھے ہیں، وہیں ان میں تحریری صلاحیت کے ایوارڈ کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔

اپنے مکمل کورسز کو نیٹ پر مہیا کرنے کے لیے بھی ہم نے پائلٹ پراجیکٹ کا آغاز کر دیا ہے۔ طلبہ کو سہولت دینے کے لیے اور معاشرے میں کتاب خوانی کو فروغ دینے کے لیے ہم مل جل کر بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ میں جب اپنے شعبہ کا سربراہ تھا تو میں نے اس شعبہ کی لائبریری قائم کی اور ساتھ ہی پانچ ہزار کتابیں اپنے نام پر ایشو کروا کے طلبہ میں بانٹیں۔ میں لائبریرین حضرات سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ ہمارے طلبہ کو ممبر بنائیں اور لائبریریوں کو افادۂ عام کے لیے مہیا کریں۔

مصنف، ڈرامہ نویس اور کالم نگار منو بھائی نے اپنے صدارتی خطاب میں اس موضوع پر سیمینار کو وقت کی ضرورت قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ قومی لحاظ سے تعلیم ہماری ترجیح میں بہت پیچھے ہے۔ ہم جسمانی صحت پر بھی بہت کم خرچ کر رہے ہیں مگر وہ بھی ہمارے جی ڈی پی کا دو فیصد ہے، مگر تعلیم جس کا تعلق ذہنی ضروریات سے ہے، اس پر محض عشاریہ سات فیصد خرچ ہوتا ہے۔ قیام پاکستان کے وقت ہمارے پاس پطرس بخاری سے لے کر صوفی تبسم تک اعلیٰ پائے کے معلمین کی کھیپ تھی۔ مگر آہستہ آہستہ علم پر معلومات حاوی ہوتی گئیں اور اب ہماری نسل محض معلومات کے زور پر تعلیم یافتہ ہے۔ ہم نے قومی سطح پر تعلیم کو فروغ دینے کی طرف بہت کم توجہ کی۔ اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہوا کہ ایوب خان کے مارشل لاء کے دور میں یہ ضابطہ جاری کر دیا گیا کہ کالج کے پرنسپل کی اے سی آر ضلع کا ڈی سی لکھے گا۔ ڈی سی تو فطری طور پر اے سی آر لکھتے ہوئے یہی دیکھے گا کہ کہیں اس کالج سے کوئی جلوس حکومت کے خلاف تو نہیں نکلا۔ یوں محکمۂ تعلیم کو ڈی ایم جی کے تحت کر دینا انتہائی غلط اقدام تھا۔ تعلیم کو معلمین کے پاس ہی رہنا چاہیے، جس طرح محکمہ صحت ڈاکٹروں کے پاس ہوتا ہے۔ اس مارشل لائی اقدام سے کتاب اور علم دونوں کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا۔

منو بھائی نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بھارت کے مقابلے میں ہمارے ہاں کتاب بے حد مہنگی ہے، جبکہ وہاں کتابوں کے اصل ایڈیشن بھی نہایت سستی قیمت میں دستیاب ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں شرح خواندگی بھی کم ہے اور لوگوں کی قوت خرید بھی کم ہے۔ اس لحاظ سے ہمیں زیادہ سستی کتب اپنے عوام کو فراہم کرنے کے لیے ٹھوس اقدامات کرنے چاہئیں تھے۔ خصوصاً طلبہ کے لیے تو ہر کتاب آدھی قیمت پر دستیاب ہونی چاہیے۔

انھوں نے کہا ہم اہل کتاب ہیں، ہمیں تو سب سے بڑھ کر کتاب کی اہمیت مکھنف چاہیے اور کتاب کو سینے سے لگانا چاہیے۔ ہمارے سکولوں کی حالت اس قدر ناگفتہ بہ ہے کہ وہاں لائبریریوں کا کیا تصور جہاں چار دیواری اور لیٹرین بھی تعمیر نہ ہو سکتے ہوں۔ پھر اچھے سکولوں میں تو لائبریریاں بن بھی جاتی ہیں مگر کیا کم درجے کے سکول اس بات کے مستحق نہیں کہ ان کے طلبہ کے اندر بھی اچھی کتب پڑھنے کا ذوق پیدا کیا جائے؟ اس بات کی بے حد ضرورت ہے کہ ''لائبریری تحریک'' برپا کی جائے۔ ہماری تمام یونیورسٹیوں کو مل جل کر باہم تعاون سے اس پر کام کرنا چاہیے۔

تقریب کی میزبانی AIOU ریجنل کیمپس کے لائبریرین محمد شاہد سرویا کر رہے تھے۔ آخر میں انھوں نے مقررین کا شکریہ ادا کیا اور اس دعا پر اختتام کیا کہ اللہ کرے فروغ علم اور کتاب کے لیے یہاں پیش کیے جانے والے تمام ارادے اور عزائم کامیابی سے عمل میں ڈھل سکیں اور ہم ایک ایسا معاشرہ بن سکیں جہاں علم اور کتاب کی قدر ہو اور معلمین کا فراواں احترام ہو۔

❁❁❁

حمد

میں نے تیری یاد میں جتنے بھی اوراق لکھے ہیں !
طاق ہے تو اور طاق پسند ہے اس لئے طاق لکھے ہیں

اک دانے کو سو دانے سے یا رب توئی بدل دے
تیری رہ میں جن لوگوں نے جو انفاق لکھے ہیں

اک ذرے کی ٹوٹ کا عالم واہ اللہ سبحان
ہر ذرے کے بطن میں کتنے ہی اعماق لکھے ہیں

چھین نہیں سکتا کوئی بھی اِن ہاتھوں سے اُن کو
جن کے لئے جو دانے تو نے اے رزاق لکھے ہیں

تیری رہ میں سر دے کر جو تیری حضور میں پہنچے
تو نے ان کے کھاتے مولا سب بے باق لکھے ہیں

تیری شریعت سے ہے ملی ہر مشکل میں آسانی
روح و بدن کے زہر کے جس میں سب تریاق لکھے ہیں

ارضِ حیات کی راہوں کے ہیں وہ روشن مینار
لوحِ دل پر تیرے کلام کے جو اسباق لکھے ہیں

ام عبد منیب

مولا! دور نہ کر

لے جائے تیرا دھیان مجھے وحشتوں سے دور
کردے ترا یقین مجھے حیرتوں سے دور

محسوس ہو مجھے تُو ہے شہ رگ سے بھی قریب
دیکھوں میں اپنے آپ کو ان فاصلوں سے دور

محور پہ اپنے لاکے کھڑا کر دے پھر اسے
بھٹکے جو یہ خیال تری سرحدوں سے دور

سودوزیاں کے گہرے سمندر میں مت دھکیل
مت کر میرے وجود کو اپنی حدوں سے دور

اب دل کو اذِن دے کہ تری سمت لے چلے
ان خواہشوں سے دور ،مری حسرتوں سے دور

پھر گھول دل میں شدتِ احساس اے خدا!
بے کیف ہے حیات ،خوشی سے،غموں سے دور

شمیم فاطمہ

غزل

ہاتھ میں کاسہ رہ جاتا ہے
خواب ذرا سا رہ جاتا ہے

آ کے موج گزر جاتی ہے
ساحل پیاسا رہ جاتا ہے

جب رسوائی ہو جاتی ہے
کون شناسا رہ جاتا ہے

چھن جاتی دولتِ دنیا
علم اثاثہ رہ جاتا ہے

ہجر کا درد دلوں میں اکثر
اچھا خاصا رہ جاتا ہے

بربادی کے بعد ہمیشہ
ایک دلاسہ رہ جاتا ہے

کرامت بخاری

غزل

اہلِ چمن پہ یوں تو کوئی زور کیا چلے
کیا ہم ہی اجنبی ہیں جو بچ کر صبا چلے ؟

اس سے غرض نہیں کہیں ابلاغ بھی ہوا
اب حالِ دل تو کہنا تھا ان سے کہا، چلے

ان کے نصیب میں کہاں منزل کا راستہ
اپنی تلاش میں بھی جو بے مدعا چلے

جھکنے لگے ہیں جتنے تناور درخت تھے
محسوس تو کروں کہ یہ کیسی ہوا چلے

آیا تھا کون ، ان کو تجسس رہے سدا
ہر نقشِ پا جہاں بھی تھا اپنا ، مٹا چلے

ہم منتظر رہے کہ اٹھے گی ادھر نظر
اکتا کے جب اٹھے ، تو وہ کہنے لگا چلے ؟

راحتؔ کہیں قریب ہے انؐ کی گلی ؟ سنبھل
پڑھتی ہوئی درود جو بادِ صبا چلے

راحت چغتائی

غزل

نیند اس کی ہے خواب میرے ہیں
رات بھر کے عذاب میرے ہیں

لے اُڑا وقت، رنگ اور خوشبو
اب یہ بکھرے گلاب میرے ہیں

کھلنا چاہوں مثالِ گل اس پر
مجھ کو مانع حجاب میرے ہیں

آسماں پر مہ و نجوم نہیں !!
ضوفشاں اضطراب میرے ہیں

چین سے کیسے زندگی گزرے
ذہن میں انقلاب میرے ہیں

کیسے آئے یقین رخشندہؔ
جان و دل سے جناب میرے ہیں

رخشندہ نوید

غزل

ذرّہِ خاک ہوں غبار میں ہوں
ہاں مگر تیری رہ گزار میں ہوں

ایک عالم ہے منتظر میرا
اور میں تیرے انتظار میں ہوں

مجھ پہ طاری ہے تیسرا موسم
مَیں خزاں میں نہ مَیں بہار میں ہوں

میری ہر بات معتبر سمجھو
میں ابھی حالتِ خمار میں ہوں

ایک آفت میں مبتلا ہوں میں
مستقل ایک ہی مدار میں ہوں

طارق محمود طارق

غزل

دبی ہے آگ ہوا دے کے اے بہار نہ چھیڑ
لہک اٹھے نہ کہیں قلبِ داغدار نہ چھیڑ

الجھ نہ ان سے سمجھ کر ذلیل و خوار ، نہ چھیڑ
یہ خار تو ہیں گلوں کے گلے کے ہار ، نہ چھیڑ

میں پی رہا ہوں خموشی سے بزم میں آنسو
تجھے قسم ہے ، مجھے شمعِ اشکبار! نہ چھیڑ

ہیں عمر بھر کے تھکے ماندے چین لینے دے
خدا کے واسطے ہم کو تہہِ مزار نہ چھیڑ

چھپائے دامنِ رحمت میں داورِ محشر
گناہ گار ازل سے ہے شرمسار نہ چھیڑ

بتا نہ عیب و ہنر نا سمجھ کو آج شہودؔ
صلاحِ نیک بھی ہوتی ہے بے وقار ، نہ چھیڑ

شہود ہاشمی

ڈاکٹر شگفتہ نقوی

ندامت

ہماری کام والی ماسی نوراں جس نے بیوگی کے بعد کئی سال ہمارے خاندان کی خدمت میں گزار دیئے جب اس کا بیٹا فوج میں چلا گیا تو اس نے اپنی ماں سے کہا کہ اب تم مشقت نہ کرو اب میرا فرض ہے کہ میں کما کر اپنی ماں کی خدمت کروں چنانچہ ہم نے ماسی نوراں کو بادل نخواستہ رخصت کر دیا۔ اس کے ہونے سے ہمیں بڑا سکھ تھا لیکن اس کی بھی اپنی زندگی تھی۔ ہم نے یہ پیغام ضرور دیا کہ ماسی اپنے ہی گاؤں سے یا کہیں سے اپنے جیسی کوئی خاتون ضرور بھجوا دیں۔ شروع شروع میں تو ہمیں قدم قدم پر اس کی یاد آتی۔ یاد بھی کیا تھی ضرورت منہ پھاڑ کر کھڑی ہوتی تو ہم کہتے ہائے ماسی نوراں.....

دو ہفتے بعد تپتی دوپہر میں بیل کی آواز نے جگا دیا ناگواری کی ایک لہر اٹھی..... پتہ نہیں کون ہے بچے تو سو رہے ہیں میں ہی اُٹھ کر جاؤں گیٹ کھولا تو تین خواتین ایک ذرا بڑی عمر کی ساٹھ سال کی ہوگی دوسری چالیس تیسری پچیس چھبیس کی نوجوان عورت تھی لیکن کمزور ہڈیوں کا ڈھانچہ، میلے کپڑے، چہرے پر محرومیوں کا میک اپ جس نے ان کی اصلی شخصیت کو چھپا لیا تھا، پسینے سے بھیگی ہوئی۔ شاید کافی دور سے چل کر آ رہی تھیں۔ کہنے لگیں ماسی نوراں نے بھیجا ہے آپ کو کام والی چاہیے۔

کام والی کا نام سنتے ہی ناگواری خوشگوار لہجے میں بدل گئی آیئے آیئے اندر آ جائیں باہر بڑی گرمی ہے۔

میں نے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا، پنکھا چلایا، اب وہ سوچ میں تھیں نیچے فرش پر بیٹھنے لگیں تو میں نے کہا، نہ نہ اوپر صوفے پر بیٹھو..... یہ کیا بات ہوئی! میں ابھی آپ کیلئے پانی لے کر آتی ہوں آپ اتنی دیر پسینہ سکھاؤ۔

میں نے روح افزا جگ میں ڈالا اور برف کے ساتھ ٹرے میں رکھ کر لے آئی، ان کو پینے کیلئے پیش کیا۔

اب کہو۔

بڑی عمر کی بزرگ خاتون بولیں میرا نام گُرشید ہے یہ میری بیٹی ہے جمیلہ .....جیلو..... یہ میری بھانجی ہے شہناز.....دونوں نے کام کرنا ہے ایک کو تم رکھ لو دوسری کو کہیں رکھوا دو جیلو کے پنج منڈے ہیں اس کے خاوند کے سر میں سواہ (مٹی) اس نے اس پر جھوٹا الزام لگا کر کہ تو اپنے دیور کے ساتھ خراب ہے اس کو طلاق دیدی ہے منڈے لے لئے ہیں اب یہ شرم سے منہ چھپاتی پھرتی ہے۔ دھیاں دی تقدیراں! ماسی نوراں نے کہا تھا کہ بی بی زینب کے پاس چلی جانا جس طرح دھرتی مردوں کو، وہ تجھے اپنے پروں تلے چھپا لے گی۔

تو کیا اسکا دیور بھی گاؤں چھوڑ گیا ہے؟

نہ جی بھولے بادشاہو......مرد کا کیا بگڑتا ہے وہ تو کہتا ہے کہ جیلو میری ماں ورگی ہے جداں اوہ ویاہ کے آئی سی تے میں بچہ جیا سی اس نے ماں کی طرح مجھے پالا ہے میرا بھائی تو پاگل ہو گیا ہے پتہ نہیں کس نے اس کے کان بھرے ہیں لیکن بی بی جی اب تو طلاق ہو گئی ہے نا......اب کیا ہوسکتا ہے ۔وہ معا پھی مانگ بھی لے تو یہ واپس نہیں جاسکتی۔

تو اسکے بیٹوں نے اس کو روکا نہیں کہ اماں تو نہ جا؟

اصل بات یہ ہے کہ پہلے تو وہ مزدوری کرے تھا۔ پھر اس نے اپنی گدھا ریڑھی بنالی...... پھر کمیٹیاں ڈال ڈال کر دوسری پھر تیسری گدھا ریڑھی لے لی ۔ اب دو ریڑھیاں بیٹے چلاتے ہیں پیسہ زیادہ آ گیا ہے اتنی اس کی اوقات نہیں تھی اجلے کپڑے پہننے لگ گیا ہے اور بالوں میں تیل لگا تا ہے بس غریبی اچھی تھی ، روکھی سوکھی کھا کے وقت کٹ گیا ۔دفع دور یہ دولت جس نے آ کر نہ محبت رہنے دی نہ چھت ......

میں نے دل میں سوچا غریبی کے بڑے فائدے ہوتے ہیں میں تو سنا کرتی تھی کہ غربت کی وجہ سے میاں بیوی میں ہمیشہ لڑائی رہتی ہے۔

اس کے تو سارے ہی بیٹے ہیں، کھانا کون پکائے گا۔

اوہ جی یہ کیا مشکل ہے اور جنانی لے آئیگا ، نکاح کر لے گا۔

اس دوران جیلو بالکل خاموش تصویر کی طرح بت بنی بیٹھی رہی یا اس نئے موڑ کے بارے میں سوچ رہی ہوگی بچے گھر خاوند گاؤں گلیاں سبھی کچھ وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی۔

اچھا تو شہناز کیوں کام کرنے آئی ہے؟

اس کا آدمی نشہ کرتا ہے۔سات بچے ہیں جب تک اس کا باپ زندہ تھا کو اس کو حمل ہو جاتا وہ اسے باپ کے گھر چھوڑ جاتا بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ، منت ترلا کر کے راضی کر کے لے جاتا۔ چار دن کام کرتا دو چار نئے جوڑے لے کر دیتا جونہی اگلا بچہ پیٹ پڑا ، نہ جانے ظالم کو کیا خار تھی بس پھر اسے بیوی ایک نظر نہ بھاتی ہر سال ایک بچہ پیدا کرتے کرتے کمبخت مرنے والی ہوگئی ہے ۔اب اس کا پئیو (باپ) ایکسیڈنٹ میں مر گیا ہے یہ اب کدھر جائے اب وہ کام ہی نہیں کرتا۔اُلٹا نشہ کرتا ہے اور اسے مارتا ہے ایک یہ بیمار ہے اٹھتی ہے تو گرتی ہے بچے بھوکے ننگے صبح صبح گھر سے نکل جاتے ہیں۔ مانگ تانگ کر پیٹ بھر لیتے ہیں بڑے تین بچے بوریاں لے کر کچرا کنڈی چلے جاتے ہیں شام کو جو پیسے لاتے ہیں وہ باپ چھین لیتا ہے کچھ نشہ کر لیتا ہے کچھ کھا پی لیتا ہے۔

اب میں اسکا کیا کروں ۔ایک تو یہ بیمار ہے، دوسرا گھر ایسا ہو کہ یہ شام کو گھر چلی جائے ورنہ بچوں کو کھانا کھون پکا کر دے گا۔ گاؤں سے ویگن چل پڑی ہے دس روپے کرایہ لگتا ہے پانچ روپے آنے کے پانچ روپے جانے کے۔

لیکن یہ تو اتنی بیمار ہے یہ کام کیسے کریگی؟

مجبوری ہے بی بی پیٹ تو ظالم ہے روٹی مانگتا ہے۔اس کے ساتھ تو سات پیٹ اور بھی لگے ہوئے ہیں۔

جب اسکا خاوند نکما تھا تو اتنے بچے پیدا نہ کرتی میں نے کہا۔

ہائے بی بی تو شہر میں رہتی ہے اور پڑھی لکھی ہے بات کرسکتی ہے ہماری عورت بات کرے تو پٹائی ہو جاتی ہے اس پر بھی باز نہ آئے تو طلاق .....اگر طلاق ہوگئی تو یہ نگوڑ ماری کدھر جائیگی باپ تو چل بسا اور ماں بوڑھی اور اپنے بیٹوں کی محتاج ہے۔

اماں اگر طلاق ہوگئی تو ہونے دو وہ کم بخت اسے کیا دیتا ہے الٹا مارتا ہے ۔ پیسے چھین لیتا ہے اور پھر ہر سال ایک بچہ.....اسکے علاوہ ایسے خاوند کا کیا فائدہ!

نہ بی بی نہ..... پھر بھی اسکا مجازی خدا ہے، اس کے سر پر بیٹھا ہے کوئی میلی نظر سے اس کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتا دیکھے تو اسکا خاوند اس کی آنکھیں نکال لے گا۔

اماں.....اس ہڈیوں کے ڈھانچے کی طرف جوٹی بی کی مریض لگتی ہے کسی کو دیکھنے کی کیا ضرورت ہے اور اس کے خاوند میں نشہ کرکر کے اتنی طاقت رہی ہوگی کہ کسی کی آنکھیں نکالے، نشہ تو دیمک کی طرح ہوتا ہے جو طاقت ہمت جوانی خون غیرت عزت نفس محبت اور احساس کو کھا جاتا ہے ۔ انسان صرف چلتی پھرتی لاش رہ جاتا ہے۔

ہاں بی بی تو سچ کہتی ہے.....

ایک بات تو بتاؤ کہ غریب لوگ جن کے پاس کھانے کے لئے پیسہ نہیں ہوتا وہ نشہ کیوں کرتے ہیں؟

بی بی اک تاں جدوں شہر مزدوری کے لئے آتے ہیں تو شہراں دی شان شوکت ، چیزاں ، مکان دیکھتے ہیں پھر اپنی حالت دیکھتے ہیں تو بڑا ارمان آتا ہے کہ یہ چیزاں ہمکو کیوں نہ ملیں ۔بس ایہہ غم بھلانے کو نشہ شروع کر دیتے ہیں ۔

اس سے تو حالت اور خراب ہو جاتی ہے۔ یہ غم کا اچھا علاج ہے کہ ایک صحت تھی وہ بھی گئی ؟

ہاں بی بی دوجی گل ایہہ ہے کہ حکومت سے پوچھاں کہ نشہ پر پابندی کیوں نہیں لگاتی ۔کون بناتا ہے کون لاتا ہے کون خریدتا ہے کس کو لگ جاتا ہے ۔ کیا ہماری کوئی حکومت نہیں ہے؟ کیا ہم لاوارث ہیں؟ کوئی تاں بادشاہ ہوگا ،اگر وہ میری بات سنے تو میں پوچھاں کہ جو تری بیٹی کا خاوند نشہ کرے اس کو مارے بچے بھوکے ننگے ہو جاویں، سکول نہ جاویں ، کچرا کنڈی ان کا مقدر ہو جاوے بیوی کو مارے اور کہے کہ جا نوکری یا مجدوری کر، پیسے کما کر لا میرا نشہ ٹوٹ رہا ہے۔ جو وہ غریب انکار کرے تو طلاق کا ڈنڈا سر پر دے مارے.....تو تُو کیا کرے گا؟ پر غریب کی کون سنتا ہے ۔بس اللہ سے ہی فریاد ہے اللہ ہی ہماری سنے گا۔ یہاں نہیں تو اگلے جہان میں تو سنے گا۔

اماں بات یہ ہے کہ ہمارے رب نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ اللہ ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں ۔ان کے حالات اللہ نہیں بدلتا جو کوشش نہیں کرتے تم چپ چاپ ظلم سہتی رہوگی تو تمہارے حالات کیسے بدل سکتے ہیں مرد مجازی خدا ضرور ہے لیکن اس کو یہ تو سمجھایا جاسکتا ہے کہ عورت بھی انسان ہے اس پر ظلم نہ کرے جھوٹا الزام لگانا گناہ کبیرہ ہے، بہتان ہے اور بغیر وجہ کے طلاق نہ دے اس کو کما کر دے بیوی بچوں کا نان نفقہ یعنی خرچہ مرد کے ذمے ہے۔

دوسری بات ، جو مرد کماتا نہ ہو اور نشہ کرتا ہو اس سے اپنی بیٹی کی شادی مت کریں ۔ بیٹی تو ایک ہے پھر سات بچوں

کی ذمہ داری..... وہ لڑکے بھی کام نہیں کرینگے اس طرح یہ برائی بڑھتی جائیگی ۔ جو مرد مارتا ہے چپ چاپ اس کی مار سہہ لیتی ہو، تو یہ بھی تم ظالم کا ساتھ دیتی ہو اپنے گاؤں میں پنچائیت بناؤ ۔ جو بندہ بلا وجہ اپنی بیوی کو مارے، پیسے چھین لے، طلاق دیدے یا خرچہ نہ دے وہ پنچائیت اس کو سزا دے

۔

پھر جب کوئی نیا نیا نشہ شروع کرے اس کو بچاؤ اس کا علاج کراؤ اسے سمجھاؤ جب تک بندہ راہ راست پر نہ آئے اگلا بچہ پیدا نہ کرو اب تو یہ سہولتیں گاؤں گاؤں موجود ہیں۔

بی بی..... مجھے تیس سال ہو گئے کہ میں چھوکریاں لے کر گھر گھر کام کیلئے لاتی ہوں بیگماں ..... پرانے کپڑے جوتے ،آٹا پیسے برتن تو دیویں پر کام دی گل نہ بتاویں تو پہلی سیانی بی بی ہے اب میرا بازو پکڑ ۔ میرے نال گاؤں چل ، ایک کمیٹی بنا اپنا دفتر کھول چاہے ایک ہفتے میں ایک دن کے لئے آ..... پر رستہ تو دکھا دے! تساں کوں اللہ نے روشنی دی ہے علم کی تو آگے تقسیم کرو۔ ہم تو رل گئے ہیں۔

میں نے اپنا سر ندامت سے جھکا لیا..... مجھے احساس ہوا ہمارا علم کس کام کا..... ہم کرنے والا کام تو کر نہیں رہے آگے کیا منہ لے کر جائیں گے یہ بھی انسان ہیں جانوروں سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں۔ ہم اپنی پرانی چیزیں دے کر سمجھتے ہیں بڑی نیکی کی ہے لیکن ان کی حالت زار کون بدلے گا ؟ غربت اور جہالت دونوں مل جائیں تو یہ وہ عذاب ہے جو کسی بھی قوم پر بوند بوند گرتا رہتا ہے ۔ ہم نے ڈگریاں حاصل کیں تو اُن کو فائلوں میں لگا کر الماری میں رکھ دیا..... کیا ہم تعلیم یافتہ ہیں؟

سوتیلے پن کی چھاؤں

وقت کا پہیہ یونہی چلتا رہا۔مشتاق اپنی دوکان کرتا۔جبکہ لڑکیاں سکول جانے کے ساتھ ساتھ گھر میں چھوٹے بہن بھائیوں اور صفائی ستھرائی میں ماں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔

اشفاق نے ایف ایس سی میں 890 نمبر لیکر اپنے آپ کو میڈیکل کالج کے لئے اہل ثابت کر دیا۔

اور یہ دن فضل احمد صاحب کے لئے خوشی کے ساتھ ساتھ فکرمندی کا بھی تھا لیکن بیٹے کی خواہش کے پیش نظر انہوں نے کچھ رقم پسِ انداز کر رکھی تھی۔کچھ مشتاق نے پیش کی اور کچھ حمیدہ بیگم کے سگھڑ پن کے باعث بچ رہی تھی۔سو اشفاق احمد نے اپنے خوابوں کی تکمیل کے لئے آرمی میڈیکل کالج کا چناؤ کیا اور محنت اور عزم مسلسل اور جدوجہد کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

فضل احمد صاحب اور حمیدہ بیگم نے اپنا پیٹ کاٹ کر خواہشات کو بڑھنے سے روک کر، جیسے تیسے ہوا اشفاق کی مدد کرنے کی پوری کوشش کی۔

''سلاما علیکم باجی ! خوشی کی خبر ہے ،سنی آپ نے؟'' مشتاق نے گھر میں داخل ہوتے ہی مخصوص انداز میں کہا۔

''اشفاق پاس ہو گیا ہوگا ناں؟ اس کا رزلٹ آنے والا تھا''انہوں نے جواباً کہا۔

''ہاں ۔ بہت اچھے نمبر لئے ہیں اس نے .....کہتا ہے اگلے اتوار کو گھر آئے گا.....مشتاق نے چوکی پر بیٹھتے ہوئے کہا ۔

''چلو شکر ہے خدا کا!اتنی محنت کر رہا ہے تو اس کا اجر بھی تو پا رہا ہے'' حمیدہ بیگم نے روٹی چنگیر میں رکھ کر اس کے سامنے کی۔

''روبینہ! ذرا بھائی کے لئے پانی تو لیتی آؤ''انہوں نے صحن میں کتاب لیے بیٹھی روبینہ سے کہا۔

''ابا جی کو پتہ چلا کہ کب تک آئیں گے وہ'' مشتاق نے سالن کی پلیٹ سامنے کرتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی ذرا جھجکی ہوئی نگاہوں کے ساتھ پلیٹ میں دیکھا لیکن وہ حمیدہ بیگم کی طرف دیکھنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔اس نے صبر و شکر کے ساتھ بغیر کچھ کہے روٹی توڑ کر سالن میں ڈبو کر کھانا شروع کر دی۔

''غالبا آلو ڈالے ہونگے شوربے میں یا پھر شلجم ..... ہوسکتا ہے گوشت پکایا ہو لیکن کم ہوگا اس لئے صرف شوربا رہ گیا ۔''

وہ خاموشی سے قیاس کرتا رہا اور کھانا کھاتا رہا۔بہرحال جو بھی پکا تھا صبر سے کھانا تھا۔یہ تو اب ہر دوسرے تیسرے روز کا معمول تھا اس لئے وضاحت کیا پوچھنی کہ شوربہ کیوں ہے صرف ،شوربے میں گوشت ،آلو یا شلجم قسم کی کوئی مخلوق کیوں

نہیں۔

''باجی یہ کامران تو نہیں چپ ہو رہا، کسی کھلونے سے بہلتا ہی نہیں'' یاسمین نے روتے ہوئے کامران کو حمیدہ بیگم کی گود میں دیتے ہوئے کہا۔

انہوں نے بھی اسے بہلانے کی کوشش کی لیکن بے سود۔

''اچھا یہ لے روٹی کھائے گا میرا بیٹا!'' انہوں نے روٹی کا نرم ٹکڑا اس کے منہ میں زبردستی ڈالتے ہوئے کہا جو کامران نے پھس پھس کر کے باہر نکال دیا۔

''ڈوڈو.....ڈوڈو.....'' وہ چلانے لگا۔

''دودھ شام کو ملے گا ابھی روٹی کھائے گا'' حمیدہ بیگم نے پھر سے پہلانے کی کوشش کی۔

''باجی جی اس کو دودھ پلا دیں اگر مانگ رہا ہے۔شام کو کیوں ابھی کیوں نہیں؟'' مشتاق نے پانی کا گلاس بھرتے ہوئے کہا۔

''دودھ والے کو منع کر دیا ہے تو اب دودھ ہوتا ہی نہیں تو کہاں سے دوں!'' حمیدہ بیگم نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر وہ صدمے سے بول ہی نہیں سکا۔اس بے چارے بچے پر ظلم!

''اشفاق آئے گا تو کروں گا بات اس سے.....ہم تو اپنا پیٹ کاٹ کر اس کی پڑھائی برداشت کر رہے ہیں۔لیکن اب یہ تو بچہ ہے نا.....!''

''اور یہ بھی اس کا بھائی ہے جیسے تم ہو.....اور تم اشفاق کے ساتھ کوئی بات نہیں کرو گے۔وہ بہت حساس ہے اس کی پڑھائی پر اثر ہوگا'' حمیدہ بیگم نے تقریباً ڈانٹتے ہوئے اس سے کہا۔

مشتاق تو پھر مشتاق تھا، حمیدہ بیگم نے بڑی کوشش اور محنت کیساتھ فضل احمد کو بھی روکے رکھا کہ وہ اشفاق کی پڑھائی پر اثر انداز نہ ہوں۔کئی بار ایسے لمحات آئے کہ وہ پریشان ہو جاتے اور آخری حل ان کو یہی نظر آتا کہ اشفاق کو واپس بلا لیں لیکن حمیدہ بیگم نے اس حل کو کبھی عملی جامہ پہنانے نہیں دیا تھا کبھی سمجھا بجھا کر، کبھی منت سماجت کر کے کبھی چوری چھپے، کبھی ناراضگی کا اظہار کر کے کسی نہ کسی طرح انہوں نے فضل احمد صاحب کو راضی کیے رکھا اشفاق کو تعلیم مکمل کرنی ہے۔

☆.....☆.....☆.....☆

گہرے فاختہ رنگ کے دروازوں اور کھڑکیوں پر مشتمل اس گھر میں آج پہلی بہار چولہا ہی نہیں جلا! کیونکہ حمیدہ بیگم محلے میں موجود چند جاننے والی خواتین کے ہاں گئی تھیں اور یہ ہر دوسرے تیسرے روز کا معمول تھا لیکن اس دوران وہ گھر کے ضروری کاموں سے فارغ ہو کر جاتی تھیں۔ہنڈیا چڑھا کر یاسمین یا روبینہ سے کہہ دیتیں کہ خیال رکھنا اور اگر وہ سکول ہوتیں تو خود ہی پکا کر ذرا دیر سے گھر سے نکلتی تھیں۔ایسے میں لڑکیاں سکول سے واپسی پر روٹیاں وغیرہ بنا لیتیں اور گھر والوں کو کھانا کھلا دیتیں گھر والے جانتے تھے کہ یہ ان کا معمول بن گیا تھا۔

''دیکھو بہن 10 روپے کا پورا پیکٹ رکھ لو یا پھر 25 پیسے کے حساب سے چار پڑیاں لے لو اس میں بحث کیا کرنی یہ سیدھا سا حساب ہے۔'' حمیدہ بیگم محلے کی ایک خاتون کے گھر اس کی ہمسائی کے ساتھ بات کر رہی تھیں۔

یہ بھی تو دیکھو پڑیاں بڑی اچھی طرح سے بھری ہوئی ہیں ،بازار کی پڑیوں سے زیادہ ہی ہوگی اس میں تم بے شک تسلی کرلو ''اب کے محلے کی وہ خاتون خود ہی اپنی ہمسائی کو سمجھا رہی تھیں جو پڑیاں اٹھا کر ان کو ہلکے سے جھٹک رہی تھی جیسے ان کا وزن محسوس کرنا چاہ رہی ہو۔جبکہ حمیدہ بیگم خاموش بیٹھی اسے دیکھ رہی تھیں۔

''نہیں مجھے تو اعتبار ہے پھر سیاہی کا کیا ہے آج بچوں نے دوات میں بھر لی کل ان کی دوات گم ہوگئی یا ٹوٹ گئی، پھر سے دوات اور سیاہیاں خریدنے کا جھنجھٹ۔ یہ تو اچھا ہے بازار تک نہیں جانا پڑے گا۔آپ مجھے 10 روپے کا پیکٹ دے دیں مہینہ بھر تو نکل ہی جائے گا'' ہمسائی نے 10 روپے حمیدہ بیگم کو تھماتے ہوئے کہا۔

''اور یہ دس روپے وصول کرنے کے بعد حمیدہ بیگم کے پاس 60 روپے ہو گئے تھے۔ وہ صبح جلدی میں نکلی تھیں۔ پہلے گرلز سکول میں جا کر سیاہی بیچی پھر محلے کی کچھ جاننے والی خواتین کے ہاں گئیں۔ یہ رقم کافی تھی اس لئے انہوں نے گھر واپسی کا ارادہ کیا کیونکہ ہنڈیا وہ پکا کر نہیں آئی تھیں اور لڑکیاں بھی سکول میں تھیں۔انیسہ قدرے سمجھ دار ہو چکی تھی اور چھوٹے بہن بھائیوں کا خیال رکھ لیتی تھی۔

''بچے پریشان ہونگے اور روبینہ یاسمین بھی سکول سے واپس آ گئی ہونگی، بھوک انہیں ستا رہی ہوگی!'' حمیدہ بیگم نے سوچا اور اپنا بیگ لے کر اٹھنے لگیں۔

''ارے بہن بیٹھیں تو سہی۔ابھی کچھ اور خواتین بھی آتی ہونگی کچھ سیاہی اور بک جائے گی'' میزبان خاتون نے حمیدہ بیگم کو روکتے ہوئے کہا۔

''نہیں اب چلتی ہوں کچھ دنوں تک پھر چکر لگاؤں گی، بچے انتظار کر رہے ہوں گے وقت بالکل نہیں!'' انہوں نے کہا اور واپسی کا راستہ اختیار کیا۔

''ارے کوئی ہے گھر میں؟'' فضل احمد صاحب نے خاموش گھر میں اپنی آواز کے ساتھ زندگی کی حرارت پیدا کرنے کی کوشش کی۔

''جی ابا جی'' یاسمین چھوٹے کامران کو بہلاتی ہوئی کمرے سے برآمد ہوئی ''ماں کدھر ہے تمہاری۔''

''وہ گھر پر نہیں ہیں'' یاسمین نے جواباً کہا۔

''اچھا کہاں گئیں اس وقت؟ یہ تو انکے گھر سے باہر نکلنے کا وقت نہیں ہے'' وہ پریشانی میں بولے۔

''کھانا پکا ہے؟'' انہوں نے یاسمین سے پوچھا۔

''نہیں'' اس نے چبوترے کی طرف دیکھا جہاں چولہا ٹھنڈا پڑھا تھا۔

''خیریت تو ہے، بنا کھانا پکائے گھر سے نکل گئیں آج ؟'' انہوں نے سرگوشی کے انداز میں کہا اتنے میں دروازہ کھلا اور حمیدہ بیگم ہاتھ میں لفافہ پکڑے اندر آئیں۔

''السلام علیکم آ گئے آپ؟'' انہوں نے لفافہ چبوترے میں پڑے دیگچے کے اندر رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں مجھے کچھ دیر ہوئی آئے ہوئے، ابھی تک کھانا نہیں بنا؟ اور آپ خلافِ معمول کدھر تھیں آج''

''آٹا ختم تھا؟ وہ لینے گئی تھی'' انہوں نے شاپر میں سے کچھ آٹا نکالا پرات میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''آٹا ختم تھا؟ لیکن کچھ دن پہلے ہی تو میں نے آٹے کے لیے پیسے دیے تھے، اس دن نہیں منگوایا تھا؟'' انہوں نے صحن میں رکھی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اشفاق کو پیسوں کی ضرورت تھی وہ میں نے اسے دے دیے تھے'' انہوں نے آٹے میں پانی ملاتے ہوئے کہا۔

''اوہو اچھا .....لیکن آج پیسے تھے آپ کے پاس؟'' انہوں نے ذرا سوچتے ہوئے کہا۔

''تھے تو نہیں بنا لئے'' انہوں نے آٹا گوندھتے ہوئے کہا۔

''بھئی کیسے بنا لئے؟'' فضل احمد صاحب کے لئے یہ معمہ نا قابل حل تھا۔

''کچھ سلیٹیاں اور سیاہی کی پڑیاں پڑی تھیں میرے پاس۔ انہیں محلے کی کچھ خواتین کو بیچ کر جو پیسے ملے تھے اس کا آٹا خرید لائی ہوں، کچھ دن تو نکل جائیں گے، آگے کا بھی اللہ مالک ہے'' انہوں نے آٹے کو سمیٹ کر پرات کے ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔

''اور سالن کیا پکایا ہے؟'' فضل احمد صاحب کی بھوک چمک رہی تھی۔

آج چولہا نہیں جلے گا ..... یاسمین کو بھیجوں گی ہمسایوں سے کچھ اچار لے آئے گی۔''

حمیدہ بیگم نے بہت کچھ بہت پہلے ہی سوچ رکھا تھا، تو آج چولہا نہیں جلا تھا!

☆.....☆.....☆.....☆

یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے اشفاق کی پڑھائی ایک دلدل بنتی جا رہی ہو۔ گھر والے بمشکل فیس ادا کرتے ہی تھے کہ پھر کوئی نہ کوئی ضرورت اسے آن پڑتی حالانکہ اس نے بہت سی عیاشیاں جو اس کے دیگر کلاس فیلوز کر رہے تھے، اپنے اوپر حرام کر رکھی تھیں، وہ ان کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن پڑھائی سے متعلقہ اخراجات کے لئے وہ مجبور تھا کہ ابو یا باجی کے آگے دستِ سوال دراز کرے۔ اب اس کا فائنل تھا اور آخری بار فیس ادا کرنی تھی۔ پھر کچھ آسانیاں ہو جاتیں! ایک بار پھر پُر امید ہو کر وہ اس ویک اینڈ پر گھر جا رہا تھا۔

''بھیا..... بھیا..... بھیا آئے .....امی جان، باجو، بھیا آئے ہیں دیکھیں ناں..... کامی دیکھو تو بھیا آ گئے'' ارسلان نے اشفاق کو گھر میں داخل ہوتے ہی دیکھ کر شور مچا دیا۔ ''ارے سانس تو لینے دو اس کو، ساتھ ہی چپک گئے'' حمیدہ بیگم نے ارسلان کو تقریباً ڈانٹتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اشفاق کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''السلام علیکم باجی!'' اس نے ادب سے کہا۔

''جیتے رہو!'' حمیدہ بیگم نے پیار سے کہا۔

''ارے، رے، رے، کیسی ہو تم سب'' اس نے چاروں بہنوں کو صحن میں آتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

''بھیا ٹھیک ہیں۔ آپ کیسے ہیں؟'' یاسمین نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ کہا تھا۔

''آپ ڈاکٹر بن گئے؟'' نفیسہ نے توتلی زبان میں کہا۔

''تقریباً بن گیا ہوں بس تھورا سا رہ گیا ہو'' انہوں نے بھی توتلی زبان میں جواب دیا۔

''پھر آپ تامی کو جیکشن لگائیں گے ناں.....وہ مجھے مالتا

ہے'' اس نے پھر سے سوال کر دیا۔

''ارے اِتا بڑا جیکشن لگا دوں گا اس کو'' اس نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کہنی پر رکھتے ہوئے کہا۔

''ہی۔ہی۔ہی.....'' وہ خوشی سے مسکرادی ساتھ ہی اس کے ٹوٹے پھوٹے دانت دکھائی دینے لگے۔

''چلو ہٹواب بیٹھنے دو اس کو۔ یاسمین ذرا پانی تو بناؤ بھائی کے لئے'' حمیدہ بیگم نے چار پائی صحن میں بچھاتے ہوئے کہا۔

''ابا جی کدھر ہیں ؟'' اس نے بہنوں بھائیوں کے جھرمٹ میں چار پائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ذرا بازار تک گئے ہیں آتے ہی ہونگے'' روبینہ نے جھٹ سے جواب دیا۔

''اور مشتاق تو دوکان پر ہوگا ابھی''

''ہاں وہ شام تک آئیں گے''

''دیکھو۔ یہ رقم بہت زیادہ ہے۔ کچھ سو روپے ہوں تب بھی بات بنے۔ ہزاروں روپے میں کہاں سے لاؤں ..... بہت مشکل ہے'' فضل احمد صاحب چار پائی پر بیٹھے اشفاق کو سمجھا رہے تھے جو ان کے سامنے بچھی دوسری چار پائی پر بیٹھا فیس کا تقاضا کر رہا تھا۔

''ابو جی فائنل ہے ناں اس لئے فیس بڑھ گئی اور یہ آخری بار ہے، پھر اخراجات کم ہوتے جائیں گے بس یہی ایک مشکل رہ گئی ہے'' اس نے لجاجت سے کہا۔

''بس کرو، ختم کرو یہ ڈرامہ اب.....مزید میں کچھ نہیں کر سکتا۔ گھر کے اخراجات بمشکل پورے ہو رہے ہیں۔ تم کمپوڈری کر لو یا مشتاق کے ساتھ دوکان کا کچھ حصہ خالی کر کے دیتا ہوں دوائیاں رکھ لو اس میں، کچھ خرچہ نکل آئے گا گھر کا'' انہوں نے تو صاف جواب دے دیا۔ وہ گنگ ہو کر رہ گیا۔ کچھ دیر بول ہی نہ سکا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

وہ دونوں رات کے دس بجے صحن میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ برآمدے میں ایک ہلکی سی زرد روشنی والی بتی جل رہی تھی۔ باقی افرادِ خانہ اپنی اپنی چار پائیوں پر سو چکے تھے۔ اشفاق کو صبح کالج جانا تھا اور نیند اس سے کوسوں دور تھی کیونکہ فیس نہیں تھی۔ اسی پریشانی میں اس نے ابو جی کو جگا کر ایک کوشش اور کرتے ہوئے فیس کا تقاضا کیا تھا۔

''اور کان کھول کر سن لو! مشتاق کو یا امی کو تنگ نہ کرنا، ان کے پاس کچھ نہیں ہے تمہیں دینے کے لئے۔ اپنی پچھلی اسناد کسی ڈاکٹر کے پاس لے جانا صبح اور کمپوڈری کے لئے کوشش کرنا۔ خود سوچو، چار تمہاری بہنیں ہیں۔ روبینہ، یاسمین میٹرک کئے گھر بیٹھی ہیں ان کی شادیاں کرنی ہیں۔ چھوٹی دو پڑھ رہی ہیں بھائی دونوں چھوٹے بھی پڑھ رہے ہیں۔ اوپر سے گھر کا روز کا خرچہ.....تو کیسے ہو رہا ہے یہ سب تم نے کبھی سوچا؟'' فضل احمد صاحب کب کے بھرے بیٹھے تھے آج سب بول دیا۔

''بس، بس! میں کچھ نہیں سنوں گا اب سو جاؤ'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اشفاق کو بولنے سے روک دیا۔

''الماری میں 10 پڑیاں سیاہی کی رکھی ہیں۔ دو ڈبے سلیٹیوں کے، ایک پیکٹ قلموں کا .....اور 260 روپے ٹوکری میں ہیں۔ یہ سب بیچ کر بھی اشفاق کی فیس پوری نہیں ہوگی'' حمیدہ بیگم جو باپ بیٹے کی بحث سن رہی تھیں اپنے دل میں حساب لگا رہی تھیں لیکن اب کے ان کے پاس اتنی رقم نہیں

تھی۔ وہ دل پر پتھر رکھے آنکھیں بند کئے پڑی رہیں۔ پہلی بار انہوں نے فضل احمد صاحب کو اشفاق کے معاملے میں نہیں ٹوکا۔

''575 روپے دوکان میں رکھے ہیں، ان کا سودا آئے گا۔ روز 150 تک کمائی ہوتی ہے جو گھر کے خرچے میں اٹھ جاتی ہے میری جیب میں 300 روپے پس انداز ہیں۔ اگر سودا نہ لاؤں اور یہ رقم اشفاق کو دے دوں.....لیکن پھر دوکان تو نہیں چلے گی۔ کاش! میں اس کی کوئی مدد کر دوں'' مشتاق نے بھی حساب بہت لگایا لیکن رقم پوری نہیں ہوتی تھی۔

اور اشفاق خود انگاروں پر لوٹ رہا تھا! اس کے خواب نوچے جا چکے تھے۔ وہ گھر میں سب سے بڑا تھا۔ بچپن سے ہی وہ اکثر ڈاکٹر کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ روبینہ یاسمین کو مریض بنا دیتا اونچی اونچی سانس لینے کو کہتا۔ مشتاق کو دوائیاں لینے بھیجا کرتا۔ شاید ڈاکٹر بھی اس کی ماں کو یونہی چیک کرتے تھے جو اس کو نہیں بچا سکے۔ اس نے سوچا نہیں خود ڈاکٹر بنوں گا، اپنی ماں کو نہیں بچا سکا لیکن دوسروں کی ماؤں کو تو بچاؤں گا۔ مائیں الگ الگ ہوتی ہیں لیکن ''مامتا'' ایک ہی ہوتی ہے۔

''ٹھیک ہے ابا جی ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔ مجھے کمپوڈر بن کر گھر کے معاملات چلا کر ان کا ساتھ دینا چاہیے'' وہ فیصلہ کر چکا تھا اور کانوں کی لویں اس کے آنسوؤں سے بھیگ رہی تھیں۔

خود فضل احمد صاحب کروٹ لئے لیٹے رہے۔ سو نہیں سکے ساری رات وہ! انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی ان کے دل پر ہتھوڑے برسا رہا ہے۔

حمیدہ بیگم اور مشتاق احمد تو اپنے اپنے حساب میں الجھے ہوئے تھے لیکن ناکام۔ تو نیند اس گھر میں آج قدم رکھنے سے جھجھک رہی تھی!

☆.....☆.....☆.....☆

صبح حسبِ معمول سب نے ناشتہ کیا۔ مشتاق دوکان پر جانا چاہتا تھا لیکن قدم اس کا ساتھ نہیں دیتے تھے، مجبوراً جانا ہی پڑا۔ بچے بھی سکول چلے گئے۔ حمیدہ بیگم اندر الماری کھول کر پیسے گن رہی تھیں اور نہ جانے کتنی بار انہوں نے یہ رقم گنی لیکن انہیں نہیں معلوم تھا، بار بار گننے سے رقم تو زیادہ نہیں ہوتی ناں.....انہوں نے الماری بند کی، باہر نکلتے ہوئے ان کی نظر دیوار پر لگے آئینے پر پڑی۔ ایک لمحے کو وہ رکیں، اپنا چہرہ دیکھا، پھر آگے بڑھنے والی ہی تھیں کہ پھر رک گئیں بے ساختہ انکے ہاتھ اپنے چہرے کی طرف اٹھ گئے۔ کچھ لمحے کو سوچا پھر مسکرا اٹھیں۔

انہیں اشفاق کی فیس کا مسئلہ حل ہوتا دکھائی دیا۔

''اچھا ابا جی میں بھی چلتا ہوں'' اشفاق فائل ہاتھ میں تھامے فضل احمد صاحب کو جانے کی اطلاع دے رہا تھا۔

''کہاں جاؤ گے؟'' انہوں نے اشفاق کی طرف دیکھے بنا کہا۔ وہ چارپائی پر چائے کی پیالی پکڑے اپنے سوچوں میں گم تھے۔

''یہ اسناد ہیں۔ کسی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا اور نوکری کی درخواست کروں گا'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔

''تم کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں جاؤ گے.....سیدھا کالج

جاؤ گے۔ یہ لو اپنا بیگ'' حمیدہ بیگم کمرے سے برآمد ہوئیں۔ ان کے ہاتھ میں اشفاق کا ہوسٹل بیگ تھا۔

اشفاق اور فضل احمد صاحب دونوں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''وہ جہاں جا رہا ہے اسے جانے دو۔ نیک بخت تمہیں نہیں پتہ.....''

''مجھے پتہ ہے! اس کو ہر صورت کالج جانا ہے'' اب کے وہ اشفاق کے قریب آ کر بولیں اور انہوں نے فضل احمد صاحب کی بات کاٹ دی تھی۔

''یہ لو! جانے سے پہلے کسی سنار کی دوکان سے ہو کر جانا'' انہوں نے اشفاق کی ہتھیلی کھولکر اس میں کچھ تھماتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اس کی مٹھی بند کر دی۔

''اوہوں.....ابھی نہیں۔ راستے میں بے شک دیکھ لینا'' اور واپس پلٹے تو دروازہ نہیں کھولوں گی سن لیا ناں.....اب جاؤ تمہیں دیر ہو رہی ہے'' انہوں نے اشفاق کو مٹھی کھولنے سے سختی کے ساتھ منع کر دیا تھا۔

''ان کو میں سمجھا لوں گی، اب جاؤ بھی'' انہوں نے اشفاق کی نگاہیں فضل احمد کی طرف مڑتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

''ارے بھاگوان کیا کر رہی ہو کچھ بتاؤ تو'' فضل احمد صاحب نے اسے بیرونی دروازہ بند کرنے کے بعد اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا۔

''کچھ نہیں آپ چائے لیں گے اور؟'' اس نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

''لیں گے اگر مل گئی تو'' انہوں نے مطمئن ہو کر کہا اور مطمئن کیوں نہ ہوتے کہ ان کی بیگم نے ان کے بیٹے کے خواب ٹوٹنے سے بچا لئے تھے۔

ایک بڑے مربع شکل کے سفید اجلے ہاتھ کی قدرت کی طرف سے کھینچی گئی آڑھی ترچھی لکیروں پر آنسوؤں کی برسات مسلسل ہو رہی تھی۔ رونے والا اپنی قسمت پر نہیں بلکہ ہاتھ میں رکھی سونے کی بالیوں پر رو رہا تھا۔

''باجی جی نے اپنی بالیاں مجھے دے دیں..... میری پڑھائی کی خاطر! سگی ماں ہوتی تو وہ بھی ایسا ہی کرتی۔ پھر باجی جی اُن سے کم تو نہیں'' کون کہتا ہے مائیں سوتیلی ہوتی ہیں!''

''نہیں ہوتیں اور.....اور اگر ہوتی بھی ہیں تو باجی جی کا شمار ان میں نہیں ہوتا۔''

وہ بہت متفکر تھا۔ چاہتا تھا واپس لوٹ جائے لیکن دروازہ کھلنے کی امید نہیں تھی وہ شرمسار بھی تھا، کچھ رنجیدہ اور کافی حد تک پریشان۔ لیکن مجبوری ان تمام کیفیات پر حاوی ہو گئی فیس تو اسے چاہیے تھی ناں! سو بالیاں سنار کو دے کر فیس داخل دفتر کروائی۔

مشکلات جب حد سے بڑھتی ہیں تو ان کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ اشفاق نے محنت کر کے جیسے تیسے وقت گزار دیا۔ تھوڑے بہت اخراجات مشتاق احمد، اس کے والد فضل احمد اور حمیدہ بیگم نے اٹھا رکھے تھے۔ اللہ کے فضل اور گھر والوں کی قربانیوں اور حوصلہ افزائی کے بعد کامیابی کو آخری مہر اس کی محنت نے لگائی اور یوں اس نے میڈیکل کی تعلیم مکمل کر کے آرمی میں بطور کیپٹن ڈاکٹر اپنی سروس کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ اپنے آبائی علاقے میں رہنے کے بعد یہ گھرانہ لاہور شفٹ ہو

گیا کیونکہ اشفاق کی پوسٹنگ وہاں ہوئی تھی اور اس کی خواہش بھی تھی کہ کسی بڑے شہر میں جا کر آباد ہوا جائے۔ وہاں مشتاق اور فضل احمد صاحب نے دوکانداری کا کام جاری رکھا جو کہ لاہور جیسے بڑے علاقے میں اچھی آمدنی کا باعث بنی، گھر پہلے تو کرایے پر تھا، پھر پلاٹ لیکر اس پر اپنا ذاتی مکان تعمیر کر لیا۔ مشتاق کی شادی اپنی چچازاد کے ساتھ ہوئی جبکہ اشفاق احمد کی شادی راولپنڈی کے ایک پڑھے لکھے گھرانے میں ہوئی۔ یاسمین بھی بیاہ کر آبائی گاؤں چلی گئی جبکہ روبینہ کی شادی راولپنڈی میں ہوئی۔

اب حمیدہ بیگم اپنی بہوؤں اور چھوٹے چھوٹے نواسے نواسیوں اور پوتے پوتیوں کو کھلا کر، پہنا کر اور نہلا کر خوش ہوا کرتی تھیں جبکہ ان کے اپنے بچے ابھی زیرِ تعلیم تھے۔

☆.....☆.....☆.....☆

''جی ڈاکٹر صاحب تو آج ظہر کے وقت چھٹی لیکر گھر چلے گئے تھے'' نرس کی طرف سے دی جانے والی اطلاع اس کے ذہن میں ہلچل بپا کیے تھی۔

''جانے کہاں گئے !!'' وہ اپنے آپ سے ہی کہہ رہی تھیں۔۔

''مومنہ ذرا تم Ptcl سے کال کرو بابا کو'' ماما نے قدرے فکر مندی کے ساتھ کہا تھا۔

''ماما کال تو جا رہی ہے لیکن بابا ریسو نہیں کر رہے ہیں' مومنہ نے فون ہاتھ میں پکڑے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''اف خدایا!'' ماما نے بس اتنا ہی کہا اور صوفے پر سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''آج کل تو حالات بھی خراب ہیں۔ کراچی جیسے شہر میں رہ کر انہیں اتنی غیر ذمہ داری کا ثبوت نہیں دینا چاہیے'' وہ پریشانی کے عالم میں بڑبڑا رہی تھیں۔

''ماما پولیس اسٹیشن کال کریں بابا کی گمشدگی کی؟'' ایمان نے ماما کے قریب بیٹھ کر انکے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ارے حد ہے بھئی! وہ کوئی بچے ہیں کہ آرام سے گم ہو جائیں گے'' احمد نے قدرے خفگی کے ساتھ کہا۔

''ہاں بھئی ہم جب بھی گم ہوں گے تو ڈھول بجا کر کوئی اچھا سا ڈانس کر کے گم ہوں گے تا کہ گھر والے یوں منہ پھلائے بیٹھ نہ رہیں'' یہ تھے ڈاکٹر صاحب! کرنل ڈاکٹر اشفاق احمد کہ جن کی غیر موجودگی نے گھر والوں کو فکر مند کر دیا تھا اور وہ بغیر آہٹ کیے گھر میں داخل ہو کر برآمدے میں کھڑے ان کی تکرار سن رہے تھے۔

''ہا.....آ.....بابا'' سب سے پہلے ایمان کے منہ سے نکلا!

''کدھر تھے آپ بابا؟'' مومنہ نے ان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''کتنی کالز کیں آپ کو.....کوئی Response ہی نہیں'' بیگم نے خفگی سے کہا

''بھئی بیٹھنے تو دو'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر درخواست کی وہ مسکراتی آنکھوں کے ساتھ اپنی طرف بڑھنے والے اہل خانہ کو دیکھ رہے تھے جو فوج کے کسی ٹروپ کی طرح ان پر چڑھائی کر رہے تھے۔

''آج کوئی خاص بات ہے کیا ؟'' انہوں نے لاؤنج میں داخل ہوکر مختلف اشیاء اور صوفے پر رکھے گفٹس دیکھ کر کہا۔

''لگتا ہے کسی بچے کی سالگرہ ہے'' انہوں نے بچوں کو خاموش پا کر خود ہی اندازہ لگایا۔

''میں نے کہا تھا ناں۔ یہ بچوں کی طرح غبارے نہ لگاؤ، سالگرہ اور پارٹی میں فرق ہونا چاہیے'' احمد نے ایمان پر اپنی ذہنی برتری ثابت کرتے ہوئے کہا۔

''غبارہ پارٹی کا حصہ ہے، بابا تو یونہی مذاق کررہے ہیں ''وہ کب ہار ماننے والی تھی۔

''میرے خیال سے تو آج تم تینوں کی تاریخ پیدائش نہیں ہے تو پھر یہ اہتمام؟'' وہ صوفے پر بیٹھ گئے۔

''بابا۔ آپ کی پرموشن نہیں ہوئی کیا ؟'' ایمان نے قدرے ناراضگی کے ساتھ کہا۔

''اوہو تو یہ بات تھی !'' انہوں نے بناوٹی حیرت کے ساتھ کہا۔

''آپ تھے کدھر؟'' بیگم کا سوال اُدھر ہی تھا۔

''لاہور'' ان کا مختصر جواب آیا۔

''لاہور؟'' سبھی نے حیران ہوکر دیکھا۔ مومنہ اور ایمان کچن کی طرف جاتے ہوئے پلٹیں۔

''کراچی سے لاہور..... اور لاہور سے پھر واپس کراچی؟ آپ کچھ گھنٹوں میں لاہور سے ہوآئے ؟'' بیگم نے حیرت سے پوچھا۔

''ہوں! ظہر کے بعد گیا تھا اور اب رات کے نو بج رہے ہیں ائیر لائن کے ذریعہ گیا تھا کوئی سائیکل پر تو نہیں جو تم لوگ حیران ہورہے ہو'' انہوں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

''ایسی کیا ایمرجنسی تھی آپ کو؟'' بیگم نے پھر سوال کر دیا۔

''پرموشن نہیں ہوئی میری؟'' انہوں نے مختصر بات کی۔

''وہ تو آپ نے ابا جی اور امی جان کو فون پر اطلاع کر دی تھی ناں'' بیگم کے لئے یہ معّمہ نا قابلِ حل تھا۔

''ہاں!'' انہوں نے بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جیسے سوالوں پر سوال انہیں اچھے نہ لگ رہے ہوں۔

''میرا مطلب ہے کہ فون پر اطلاع ہوگئی تھی تو پھر ایمرجنسی میں جانا..... چھٹیاں آ تو رہی ہیں، اکٹھے ہی چلتے سب.....کیسے ہیں وہاں سب لوگ ؟'' بیگم نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''باجی جی کو کنگن پہنانے گیا تھا۔ فون پر اطلاع ہوسکتی تھی کنگن نہیں جاسکتے تھے اس لئے مجھے ہی جانا پڑا'' انہوں نے احمد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا جو قریب ہی بیٹھا تھا۔ اب کے بیگم کی طرف سے کوئی سوال نہیں آیا۔ وہ سمجھ چکی تھیں کہ اپنی ہر خوشی میں وہ باجی جی کو سب سے پہلے شریک کیا کرتے ہیں۔

''سلام کہتی تھیں۔ بچوں کو بہت پیار دے رہی تھیں'' اب باتیں کرنے کی ان کی باری تھی!

''وعلیکم السلام!'' بیگم نے چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆.....☆

حمیدہ بیگم کی کلائی پر کنگن اور اشفاق احمد کا لاہور آ کر اتنی

جلدی واپس جانا فضل احمد صاحب کے لئے حیران کن تھا۔

''بہت اصرار کر کے پہنا دیے اس نے ..... میں نے تو کہا اب اس عمر میں ان کی ضرورت نہیں، لیکن ناراض ہو رہا تھا میرے انکار پر'' حمیدہ بیگم انہیں خوش ہو کر بتا رہی تھیں۔

''کہہ رہا تھا کہ بنا پہنے آئیں گی تو دروازہ نہیں کھولوں گا اپنے گھر کا۔'' کراچی آنے پر اصرار کر رہا تھا میں نے کہا تمہارے ابو جی آئیں تو مشورہ کر کے بتاؤں گی خود کہہ رہا تھا کہ اب ایک ہی دفع نفیسہ کی شادی میں شرکت کے لئے آئیں گے۔'' حمیدہ بیگم کی باتیں جاری تھیں اور فضل احمد صاحب کی آنکھیں برس رہی تھیں۔

''آپ رو رہے ہیں؟'' وہ باتیں کرتے کرتے رک گئیں۔

''ہاں .....اس کی ماں زندہ ہوتی تو .....!'' حمیدہ بیگم نے ان کی حالت کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

''نہیں یہ بات نہیں'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر حمیدہ بیگم کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

''یہ خوشی تمہاری ہے..... یہ دن تمہارا ہے.....تمہیں اس کو مناؤ.....تمہیں ہی حق ہے!

میری آنکھوں میں جو آنسو ہیں وہ تشکر کے ہیں!

تم پر خدا بھلائیاں نازل کرے کہ تم نے میرے بچوں کو سوتیلے پن کی تپش سے بچائے رکھا'' انہوں نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

''انیسہ کا فون تھا لندن سے، سلام کہتی تھی اور ایک اچھی خبر تو بتانا میں بھول ہی گئی، ارسلان کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔آپ کے گھر آنے سے کچھ دیر پہلے ہی کینیڈا سے اس کی کال تھی۔ بہو بھی خیریت سے ہے'' حمیدہ بیگم نے ان کی توجہ تقسیم کرنے کی کوشش کی۔

''میں تو کہتا ہوں بھاگوان اب کامران بھی نوکری لگ گیا ہے۔اس کا بھی اچھا سا رشتہ دیکھ کر شادی کر ڈالو'' انہوں نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے کہا۔

''ہاں ذرا نفیسہ کی شادی سے فارغ ہو لوں تو پھر اس کا بھی کچھ کرتی ہوں'' حمیدہ بیگم نے جواب دیا۔اتنے میں دروازہ بجنے کی آواز آئی۔

''امی جان چائے'' یہ مشتاق احمد کی بیگم تھیں۔ چائے کی پیالی رکھ کر ابا جان سے مخاطب ہوئیں۔

''ابا جان آپ کھانا کھائیں گے ابھی''

نہیں بیٹا چائے مل جائے مجھے بھی تو اچھا ہو'' انہوں نے جواب دیا۔

''جی ابا جان ابھی لائی'' وہ کہہ کر چلی گئیں۔

''آپ کی آنکھوں میں پھر آنسو؟'' حمیدہ بیگم نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہاں.....خوشی کے!'' انہوں نے جواب دیا

☆☆☆

آئیڈیل

طاہرہ کی خوبصورتی اور لیاقت نے خاندان کے ہر لڑکے اور لڑکے کی ماں کی توجہ اپنی طرف کروا رکھی تھی۔ رشتے دار عورتیں بہانے بہانے سے اُن کے گھر آتیں اور باتوں باتوں میں اپنے بیٹے کی تعریف کے ساتھ طاہرہ کے حسن اور لیاقت کو بھی جوڑ لیتیں۔ طاہرہ کی والدہ زینب خاموشی سے سب باتیں سنتیں مگر کبھی بھی امید نہ دلاتیں۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ طاہرہ نے ایم اے انگلش کر لیا۔ عصر کے بعد کا وقت تھا، طاہرہ، زینب اور زینب کے شوہر اسلم چائے پی رہے تھے جب نوکر نے آ کر بتایا کہ بیگم ضیا اور ان کا بیٹا عرفان آئے ہیں۔ ''ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ، ہم لوگ آ رہے ہیں۔'' اسلم نے کہا۔ ''زینب! تم چلو میں نماز پڑھ کر آ رہا ہوں۔'' اسلم نے آخری گھونٹ پیا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیے۔

''طاہرہ تم اتنی دیر لسٹ بنا لو پھر بازار کا چکر لگا لیں گے۔'' زینب یہ کہتے ہوئے ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔

مہمانوں کو رخصت کر کے جب اسلم اور زینب لاؤنج میں آئے تو دونوں ہی بہت مطمئن تھے۔ مہینے کے اندر طاہرہ کی شادی کا فیصلہ، شادی اور امریکہ رخصتی بھی ہو گئی۔ ہفتے میں دو تین فون آ جاتے، زینب اور اسلم کو فونوں سے یہی لگتا کہ طاہرہ بہت مطمئن ہے۔ ڈیڑھ سال کے بعد جب طاہرہ پاکستان آئی تو اس کی گود میں ایک بہت ہی خوبصورت بچی تھی۔ چھ ہفتے طاہرہ اور عرفان لاہور رہے۔ سسرال اور میکے آنا جانا رہا۔ اس دوران زینب اور اسلم عرفان کے طور طریقوں سے بہت متاثر ہوئے۔

وقت بھاگا جا رہا تھا، تانیہ، طاہرہ کی بیٹی دس سال کی ہو گئی۔ خالص غذا، گھر کا آرام، وہ عمر سے بہت بڑی لگنے لگی تھی۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ طاہرہ بھی ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی، اور اب تانیہ بھی۔ طاہرہ نے امریکہ بہت سے ڈاکٹروں کو دکھایا سب یہی کہتے تھے کہ کوئی نقص نہیں، مگر اللہ کی مرضی کے آگے کسی کی نہیں جاتی۔ تانیہ اکیلی ہی رہ گئی۔

پاکستان آمد کے دنوں میں ایک دن طاہرہ، عرفان اور تانیہ زینب کے گھر بیٹھے ہوئے تھے جب طاہرہ نے ماں باپ سے کہا ''امی میں یہاں ڈیفنس میں گھر بنوانا چاہتی ہوں۔ تانیہ بڑی ہوتی جا رہی ہے اور وہاں کا ماحول مجھے پسند نہیں آ رہا۔''

''تعمیر کی نگرانی کون کرے گا؟'' زینب نے حیرانی سے پوچھا۔ ''کوئی اچھا کنٹریکٹر ڈھونڈ لیتے ہیں، میں ایک سال پاکستان ہی رہوں گی اور نگرانی کر لوں گی۔''

''عرفان تمھارا کیا خیال ہے؟'' زینب نے عرفان سے پوچھا۔

''جی طاہرہ یہ کام کر سکتی ہے، بہت ٹیلنٹڈ ہے۔''

عرفان نے طاہرہ کی طرف دیکھ کر مسکرا کر کہا۔ زینب خاموش ہوگئی۔

عرفان نے دو ہفتے مختلف کنٹریکٹروں سے بات چیت کی، ایک اُسے پسند آ گیا۔ ٹوکن منی دے کر عرفان تو امریکہ چلا گیا۔ طاہرہ رک گئی اور پھر ایک سال کے اندر ایک خوبصورت سا گھر بن گیا۔ طاہرہ نے امریکہ کا چکر لگایا اور اپنی پسند کا فرنیچر بک کروا کر واپس آ گئی۔ ایک ماہ بعد سب کچھ لاہور پہنچ گیا اور طاہرہ نے گھر سیٹ کر لیا۔ فیصلہ یہی ہوا کہ اب طاہرہ اور تانیہ یہیں رہیں گی، گرمیوں کی چھٹیوں اور دسمبر کی چھٹیوں میں یہ جایا کریں گی اور بیچ میں ایک آدھ چکر عرفان لگا لیا کریں گے۔ طاہرہ عقل سمجھ اور سلیقے میں ماں سے بھی زیادہ تھی، کالونی، رشتے دار، سسرال، میلے ہر جگہ اس کی تعریف ہوتی، اس کے باوجود وہ کبھی آپے سے باہر نہ ہوئی تھی۔

وقت گزرتا گیا، تانیہ نے گریجوایشن کے لیے چوٹی کے ادارے کا انتخاب کیا۔ انہی دنوں ایاز نیا نیا پی ایچ ڈی کر کے آیا اور اُسی ادارے کو جوائن کیا۔ ایاز تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا، اس کی تعلیم بھی اسی ادارے سے تھی۔ لائق ہونے کی وجہ سے اُسے وظیفہ مل گیا تھا اور دو ڈھائی سال میں پی ایچ ڈی کر کے دوبارہ اپنی مادرِ علمی میں واپس آ گیا۔ تانیہ کی خوبصورتی، چہرے پر شرافت کے آثار، سر پر سکارف، کھلا دوپٹہ اور ساتھ لیاقت ایاز کو بہت بھائی۔ اس نے آفس سے اس کے گھر کا ایڈریس لیا اور اپنی بہنوں کو اُن کے گھر بھیجا۔ طاہرہ کا ابھی تانیہ کی شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مگر ایاز کی موہ لینے والی گفتگو اور بہنوں کے شدت سے اصرار پر طاہرہ کو جھکنا ہی پڑا اور آخری سال امتحان کے فوراً بعد شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی۔

عرفان شادی سے ایک ہفتہ پہلے امریکہ سے آ گیا۔ کوئی کام ایسا نہیں تھا جو طاہرہ نے عرفان کے لیے چھوڑا ہوا یہاں تک کہ میرج ہال میں بکنگ تک اُس نے کروالی تھی۔ عرفان بہت خوش ہوا۔ شادی کا دن تو بہت ہنسی خوشی گزر گیا۔ مگر ولیمے کے دن آخر میں بہت بدمزگی ہوئی جب طاہرہ نے ایاز اور تانیہ کو گھر لے جانا چاہا تو ایاز نے صاف انکار کر دیا۔

''خالہ جان یہ کوئی قرآن میں تو نہیں لکھا کہ ولیمے کے بعد دولہا اپنی بیوی کو لے کر سسرال جائے۔ گھر میں بہت سے رشتے دار ٹھہرے ہوئے ہیں وہ دلہن کے لیے ہی تو ٹھہرے ہیں۔ اگر ہم لوگ چلے گئے تو انھیں رہنے کا کیا فائدہ ہوگا۔''

طاہرہ ششدر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ ''ایاز! یہ رواج ہے۔'' اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی کہا۔

''رواج تو دنیا والے بناتے ہیں جو توڑا بھی جا سکتا ہے۔'' تانیہ کا رنگ زرد ہو گیا کبھی وہ ماں کی طرف دیکھتی کبھی خاوند کی طرف۔ طاہرہ ایک دم پلٹی۔ کچھ فاصلے پر عرفان رشتے دار مردوں سے باتیں کر رہا تھا، طاہرہ پاس گئی۔

''چلیں گھر..... مہمانوں کے سونے کا بندوبست بھی کرنا ہے۔''

''تانیہ اور ایاز نہیں جا رہے؟'' وہ حیران ہوا۔

''نہیں'' اس نے کہا۔

تمام راستے طاہرہ خاموش رہی۔آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ طاہرہ نے کوئی بات کی ہو تو اس کے ماں باپ یا عرفان نے ماننے سے انکار کیا ہو۔اس نے ''نہ'' کبھی نہیں سنا تھا۔ وہ ہمیشہ جائز ہی بات کرتی تھی یہ کل کا لڑکا، رشتے میں داماد، اس سے اتنا چھوٹا اور اس نے صاف انکار کر دیا۔

گھر آ کر جو رشتے دار وہاں ٹھہرے ہوئے تھے اُن سے چائے کافی کا پوچھا اور جس کو جو پینا تھا اسے بنوا کر دیا۔ دیر تک لاؤنج میں ہنگامہ رہا۔پھر سب اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے۔ طاہرہ اور عرفان بھی اپنے بیڈ روم میں آ گئے۔

''طاہرہ! کیا بات ہے تانیہ کیوں نہیں آئی؟'' عرفان نے پوچھا۔

''ایاز نے آنے نہیں دیا۔'' اس نے ناراضگی سے کہا۔

''کیوں؟'' عرفان حیران تھا۔

''معلوم نہیں، کہتا تھا اگر یہ رواج ہے تو یہ کہیں قرآن میں تو نہیں لکھا ہوا اس لیے اسے توڑا جا سکتا ہے۔'' عرفان خاموش رہا اور واش روم میں چلا گیا۔

طاہرہ تمام رات جاگتی رہی، اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ فجر کی اذان ہوئی تو نماز پڑھ کر بہت دیر جائے نماز پر بیٹھی رہی۔ یہ اُس کی زندگی میں پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ کسی نے اُسے نہ میں جواب دیا ہو۔ وہ تو عادی ہی نہ تھی۔کافی دیر بعد اس نے کوارٹروں میں ریشماں کو بیل دی۔تھوڑی دیر بعد ہی ریشماں آ گئی۔

''ریشماں تم ناشتہ تیار کر کے کھانے کی میز پر رکھ دو، کچھ مہمانوں نے نو بجے تک واپس گھروں کو چلے جانا ہے۔''

''کیا کیا تیار کرنا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ڈرائیور سے پوریاں، چنے اور حلوہ منگوا لو۔تم آملیٹ بھی بنا لو اور کچھ انڈے ابال کر Hot Pot میں رکھ دو۔ ڈیپ فریزر سے کباب اور نگٹس بھی نکال کر تل لو، ساتھ سلائس گرم کر لو اور پراٹھے بنا لو۔''

طاہرہ نے اس کے ہاتھ میں پیسے دیتے ہوئے کہا اور خود دوبارہ بیڈ پر لیٹ گئی۔

آدھے پونے گھنٹے کے بعد ریشماں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔''آ جاؤ'' طاہرہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ریشماں نے بتایا کہ سب کچھ میز پر لگ گیا ہے۔ طاہرہ دوپٹہ ٹھیک کرتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔''عرفان ناشتہ تیار ہے آپ بھی آ جائیں۔''

عرفان نے اخبار میز پر رکھا اور گھڑی دیکھی۔''اتنی جلدی'' اس نے عینک بھی اتار دی۔

''کچھ لوگوں نے گھروں کو جانا ہے اس لیے ناشتہ جلد بنوا لیا ہے۔''

کھانے والے کمرے میں آ کر اُس کا دل خوش ہو گیا۔تمام چیزیں قرینے سے رکھی ہوئی تھیں، ایک کارنر پر گلاس اور مختلف جوس رکھے تھے قہوہ اور دودھ الگ الگ پڑے تھے۔

باہر کی بیل ہوئی ''اس وقت کون آیا ہے۔'' اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔دو منٹوں کے بعد ہی تیز تیز قدموں کی آواز آئی۔ اور ساتھ ہی تانیہ اور ایاز اندر داخل

ہوئے۔

''امی'' تانیہ بھاگ کر آئی اور طاہرہ سے لپٹ گئی۔

''ہم نے سوچا کہ ناشتہ آپ کے ساتھ کرتے ہیں۔'' ایاز نے مسکرا کر کہا۔

''بیٹھو۔'' طاہرہ نے آہستہ سے کہا اور تانیہ کو کرسی پر بٹھایا۔ ''تم لوگ ناشتہ شروع کرو میں دوسرے لوگوں کو بلا لاؤں۔'' وہ ریشماں کو بھی کہہ سکتی تھی مگر وہ کچھ دیر کے لیے اُن سے دور جانا چاہتی تھی۔

تانیہ نے ایک سلائس اور آملیٹ پلیٹ میں ڈالا۔

''آپ بھی لیں'' اس نے ایاز سے کہا۔

''نہیں باقی لوگ آ جائیں تو شروع کروں گا۔''

تھوڑی دیر میں عرفان اور دیگر لوگ آ گئے۔ تانیہ اور ایاز کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ایاز اٹھ کر ایک ایک مرد سے ملا عورتوں کو سلام کیا جب سب بیٹھ گئے تو ہر ایک کے آگے پلیٹیں رکھنے لگا۔ ایاز کو دیکھ کر تانیہ نے بھی ناشتہ چھوڑ دیا اور مختلف چیزیں سب کے آگے رکھنے لگی۔

''بھئی طاہرہ کہاں ہے؟'' عرفان نے اپنی پلیٹ میں پوری اور چنے ڈالے۔

''میں بلا کر لاتی ہوں، تانیہ جلدی سے باہر چلی گئی۔ کچن میں گئی تو طاہرہ وہاں تھی ریشماں چائے دم کر رہی تھی اور طاہرہ سٹول پر بیٹھی تھی۔

''امی آپ اندر آئیں ابو بلا رہے ہیں۔'' تانیہ نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔

''چلو میں آ رہی ہوں۔'' طاہرہ نے اس کا ماتھا چوما۔

تانیہ چلی گئی تو طاہرہ کچھ دیر سٹول پر ہی بیٹھی رہی اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ اندر جائے مگر اب چارا نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کھانے والے کمرے میں داخل ہوئی۔

''بھئی تم کہاں تھیں ہمیں ناشتے کا مزہ ہی نہیں آ رہا تھا۔'' عرفان نے کھانا چھوڑ کر کہا۔

''میں ریشماں سے چائے دم کروا رہی تھی۔'' طاہر نے جواب دیا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔

''خالہ جان آپ کیا لیں گی۔'' اس نے ایک پلیٹ آگے کی۔

''بھئی آج تو ہمیں دلہا نے ہی سرو کیا ہے۔'' ایک مہمان بولا۔

''ایاز مسکرانے لگا۔ طاہرہ نے خاموشی سے کھانا شروع کر دیا۔ ناشتے کے بعد سب لوگ باہر نکل گئے۔ طاہرہ ریشماں کے ساتھ چیزیں سمیٹنے لگی۔ پانچ دس منٹ کے بعد ایاز اور تانیہ اندر آئے۔ ''اچھا خالہ جان ہم جا رہے ہیں گھر بھی بہت سے مہمان ہیں۔'' ایاز نے کہا۔ تانیہ چپ چپ تھی۔ دونوں بغیر جواب سنے باہر نکل گئے۔

ایک ہفتہ گزر گیا، عرفان سے تو تانیہ کی کبھی کبھی ہی ملاقات ہوتی مگر طاہرہ کے ساتھ ایک عجیب آنکھ مچولی کھیلی جا رہی تھی۔ کبھی وہ دونوں ناشتے پر آ جاتے، ناشتہ کرتے دس پندرہ منٹ بیٹھتے پھر طاہرہ کا دل خراب کر کے چلے جاتے۔ کبھی دو بجے آتے دوپہر کا کھانا کھاتے اور کھانے والے کمرے سے ہی اٹھ کر چلے جاتے۔

ساتواں دن تھا جب طاہرہ عشاء کی نماز سے فارغ ہو

کر باقی کام نبٹا کر گھر کے دروازے بند کر کے لیٹنے کے لیے بستر پر گئی۔ ابھی وہ سونے سے پہلے کی دعائیں پڑھ ہی رہی تھی کہ گیٹ والی بیل ہوئی، پھر پانچ منٹ کے بعد برآمدے کی بیل ہوئی۔ طاہرہ نے دروازے کے قریب جا کر پوچھا ''کون؟''

جواب ملا ''امی دروازہ کھولیں ہم لوگ ہیں۔'' تانیہ کی آواز آئی۔

طاہرہ نے دروازہ کھولا۔ ایاز اور تانیہ کھڑے تھے۔ ''ہم لوگ آئس کریم کھانے نکلے تھے سوچا آپ سے بھی مل لیں۔'' ایاز نے کہا۔ ''انکل کہاں ہیں؟''

''وہ تو نو بجے سو جاتے ہیں۔'' طاہرہ نے جواب دیا۔ تینوں لاؤنج میں بیٹھ گئے۔

''آئس کریم کھانی ہے یا کھا لی ہے؟'' طاہرہ نے پوچھا۔

''نہیں ابھی تو کھانی ہے۔''

''چائے یا کافی پیو گے۔'' طاہرہ نے پوچھا۔

''کون بنائے گا؟'' تانیہ بولی۔

''ریشماں تھوڑی دیر پہلے ہی کوارٹر میں گئی ہے۔ میں بیل کرتی ہوں وہ آ کر بنا دے گی۔'' طاہرہ نے کہا۔

ویسے تو وہ خود بھی بنا سکتی تھی مگر کیونکہ وہ دونوں سے ناراض تھی اس لیے بنانے کے لیے نہ اٹھی۔ اس نے لاؤنج میں سے بیل کی جو کوارٹروں میں بجتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ریشماں اندر آ گئی، تانیہ کو دیکھ کر مسکرا کر سلام کیا۔

''تم لوگ کیا پیو گے؟'' طاہرہ نے پوچھا۔

''میں تو کافی پیوں گی ایاز بھی وہی پئیں گے۔''

''دو مگ بنا لاؤ۔'' طاہرہ نے ریشماں سے کہا۔

''نہیں میں کافی نہیں پیوں گا میں چائے پیوں گا۔'' ایاز نے حسب عادت الٹ جواب دیا۔

طاہرہ اب عادی ہوتی جا رہی تھی وہ ایک بہت ہی عقلمند عورت تھی وہ تو پہلے دو تین دنوں میں ہی اس کی عادتیں جان گئی تھی مگر حیرانی اُسے اس پر تھی کہ اگر عرفان کوئی بات کرتا تو وہ ہمیشہ ہاں میں ہاں ہی ملاتا مگر جب وہ بات کرتی تو وہ الٹا جواب دیتا، یہ چیز اُسے مسلسل دکھ پہنچا رہی تھی۔ پانچ منٹ بعد ریشماں ٹرے میں دو مگ لے آئی۔ ایک میں چائے دوسرے میں کافی۔ پہلے اس نے ٹرے تانیہ کے آگے کی۔ اس نے جھاگ سے بھرا مگ اٹھایا اور خوشی سے بولی۔

''واہ کیپی چینو کافی''

اب ٹرے اس نے ایاز کے قریب کی، اس نے چائے کا مگ اٹھایا۔

''بھئی یہ کافی تو مجھے بہت پسند ہے لاؤ مجھے دو تم چائے پیو۔'' اس نے تانیہ کے ہاتھ سے مگ پکڑ لیا اور اپنی چائے اُسے پکڑا دی۔ تانیہ حیران ہو کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ طاہرہ کو بہت برا لگا۔

''ریشماں تم ایک مگ اور بنا لاؤ۔''

''امی آپ یہ چائے پی لیں گی؟'' تانیہ نے پوچھا۔

''نہیں میں رات کو چائے نہیں پیتی۔ مجھے نیند نہیں آتی۔ ریشماں تم اور بنا لاؤ۔''

''امی رہنے دیں میں چائے پی لیتی ہوں ریشماں

چائے بھی بہت اچھی بناتی ہے۔'' تانیہ نے جلدی سے کہا اور چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔

''ابو کب جا رہے ہیں؟'' تانیہ نے پوچھا۔

''کل رات کو۔'' طاہرہ نے جواب دیا۔

کچھ دیر اور خاموشی رہی۔ دونوں نے مگ ختم کیے۔

''چلو تانیہ اب تو گھر ہی چلیں اتنی اچھی کافی پی کر آئس کریم کا مزہ ہی نہیں آنا۔'' ایاز اٹھ کر کھڑا ہوا۔ تانیہ نے ایک نظر ماں کو دیکھا۔

''بارہ بج چکے ہیں یہیں سو جاؤ اب گھر والوں کو جگاؤ گے۔'' طاہرہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں سب لوگ ٹی وی دیکھ رہے ہوں گے۔'' ایاز نے کہا۔

اور پھر دونوں چلے گئے۔ طاہرہ نے دروازہ بند کیا۔ گیٹ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ وہ کمرے میں آ گئی۔ اس کی نیند اڑ چکی تھی۔ اس نے ٹیبل لیمپ کی لائٹ جلائی اور ایک کتاب لے کر پڑھنے لگی۔ اُسے اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کتاب پڑھتے پڑھتے کب سوئی۔

اگلا دن بہت مصروف تھا۔ سب کو پتا تھا کہ آج عرفان کو واپس امریکہ چلے جانا ہے اس لیے صبح سے ہی رشتے داروں اور دوستوں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ مغرب کے بعد ایاز اور تانیہ بھی آ گئے۔ بہت سے مہمان تو جا چکے تھے جو قریبی تھے وہ رکے ہوئے تھے۔ رات کا کھانا سب نے اکٹھے کھایا۔ اُس کے بعد سب لاؤنج میں آ گئے۔ ریشماں کافی اور چائے بنا کر لے آئی۔ طاہرہ پیالیوں میں ڈال ڈال کر ریشماں اور تانیہ کو پکڑاتی جاتی اور وہ دونوں مہمانوں کو دیتی جاتیں۔

''انکل ہم آپ کو ایئرپورٹ چھوڑنے آ جائیں۔'' ایاز نے پوچھا۔

''نہیں بیٹا کوئی ضرورت نہیں میں نے آدھی رات کو جانا ہے۔ ڈرائیور کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ میں نے تو طاہرہ کو بھی منع کر دیا ہے۔'' عرفان نے انکار کر دیا۔

ایاز تھوڑی دیر اور بیٹھا پھر اس نے آنکھ سے اشارہ کیا تانیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ باپ کے قریب آ کر گلے سے لگ گئی۔ عرفان نے ماتھا چوما، ایاز بھی قریب آیا اس نے اسے بھی گلے لگایا۔ پیار کیا اور پھر دونوں سب کو سلام کر کے چلے گئے۔ طاہرہ کا کتنا دل چاہتا تھا کہ آج اس کے باپ نے چلے جانا ہے تانیہ آج کی رات تو باپ کے پاس رہ لیتی مگر یہ بات اُس نے تانیہ سے نہیں کہی۔

تانیہ کی شادی کو مہینہ ہو چکا تھا۔ وہ ایک رات بھی ماں کے گھر نہ رہی۔ ہر آنے والا دن طاہرہ کو پریشان اور دکھی کر رہا تھا۔ ایک دن تانیہ کی طبیعت ٹھیک نہ تھی ایاز کالج جانے سے پہلے اُسے طاہرہ کے پاس چھوڑ گیا۔ پورے ایک مہینے کے بعد ایسا وقت آیا جب طاہرہ تانیہ سے کھل کر بات کر سکتی تھی۔

''تانیہ! مجھے بتاؤ یہ کیا مسئلہ ہے آج تک نہ دیکھا نہ سنا کہ شادی کو ایک مہینہ ہو گیا ہے تم ماں باپ کے گھر ایک رات بھی نہیں رہی، میں نے تمھاری شادی کی تھی بیچا نہیں تھا کہ میرا حق دعویٰ ہی ختم ہو گیا ہے۔''

تانیہ خاموش رہی۔ ''جواب دو کیا تم اُسے نہیں کہتیں کہ میں نے امی کے گھر رہنا ہے؟'' طاہرہ نے ناراضگی سے کہا۔

''امی آپ کیسے یہ کہہ سکتی ہیں کہ میں نے نہیں کہا ہو گا۔'' تانیہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''پھر کیا جواب دیتا ہے؟'' طاہرہ آج پوچھنے پر تلی ہوئی تھی۔

''بس کہتے ہیں میں ملا تو لاتا ہوں۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔

''ساتھ وہ خود بیٹھا رہتا ہے بندہ کوئی بات بھی نہیں کر سکتا۔ تانیہ مجھے تو لگتا ہے وہ تم پر پورا قبضہ کرنا چاہتا ہے، میں ایک بات بتادوں وہ چاہے کچھ بھی کر لے ماں نہیں بن سکتا۔ ہر بات وہ ''نہ'' سے کرتا ہے، میں تو بے زار ہو جاتی ہوں، گھر بھی یہی کچھ کرتا ہے؟'' طاہرہ نے ذرا غصے سے کہا۔

''تین بہنوں کا ایک بھائی ہو تو پھر اس نے اپنی ہی منوانی ہوتی ہے۔'' تانیہ نے آہستہ سے کہا۔ ''میں تو زیادہ دیر اُن کی بہنوں کے پاس بھی نہیں بیٹھ سکتی۔ فوراً آواز دے کر بلوا لیتے ہیں۔''

''اُسے کس بات کی بے یقینی ہے؟'' طاہرہ نے پوچھا۔

''پتا نہیں۔'' تانیہ نے آہستہ سے کہا۔

''تمھارا کیا خیال ہے وہ کبھی بھی میرے پاس نہیں رہنے دے گا؟''

''لگتا تو ایسے ہی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

یہ بات سن کر طاہرہ خاموش ہو گئی۔ عصر کے قریب ایاز آ گیا۔ طاہرہ کا دل بہت کھٹا تھا مگر مجبوری تھی۔

''کھانا کھاؤ گے؟'' اس نے پوچھا۔

''کھانا تو میں کھا آیا ہوں۔ البتہ چائے پی لوں گا۔'' وہ تانیہ کے کمرے میں ہی بیٹھا تھا۔

''میں چائے بھجواتی ہوں تم لوگ پی لو میرا انتظار نہ کرنا مجھے عصر کی نماز پڑھنی ہے۔'' طاہرہ باہر نکل گئی۔

کچھ دیر کے بعد ریشماں چائے لے آئی۔

''بیگم صاحبہ کی سہیلی بیمار تھیں وہ انھیں دیکھنے چلی گئی ہیں۔'' تانیہ کو اندازہ ہو گیا کہ امی زیادہ ہی ناراض ہو گئی ہیں۔

تانیہ کی شادی کے بعد پہلا رمضان آیا۔ طاہرہ ہر دوسرے تیسرے دن تانیہ کی پسند کی چیزیں افطاری کے وقت بھجواتی۔ چاند رات کو اس نے تانیہ اور ایاز کے ریڈی میڈ سوٹ خریدے۔ پانچ کلو مکس مٹھائی کی ٹوکری بنوائی۔ کیک لیا، پانچ پانچ ہزار روپے دو الگ الگ لفافوں میں عیدی کے ڈالے اور ایاز کے گھر گئی۔ لاؤنج میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ ایاز کی تینوں بہنیں بمعہ بچوں اور خاوندوں کے آئی ہوئی تھیں۔ سب لوگ چائے پی رہے تھے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ تانیہ دوڑ کر آئی اور ماں کے گلے لگ گئی۔ ایاز بھی قریب آیا اور سلام کیا۔ ایاز کی بہنیں اور بہنوئی بھی کھڑے ہو گئے اور سب نے سلام کیا۔ طاہرہ نے جواب دیا۔ ریشماں پیچھے تمام لفافے اور مٹھائی لیے کھڑی تھی۔

''تانیہ یہ چیزیں سنبھال لو۔'' اس نے تانیہ سے کہا۔

تانیہ ریشماں کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ طاہرہ تھوڑی دیر بیٹھی۔ ایک ملازمہ جوس کا گلاس لے آئی۔ طاہرہ نے پیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ بیٹھتیں ابھی تو آپ آئی ہیں۔'' ایاز نے کہا۔

''نہیں مجھے کل کی تیاری کرنی ہے۔'' ریشماں اور تانیہ لاؤنج میں آئیں تو طاہرہ سب کو سلام کر کے باہر کو چل دی۔ گیٹ تک ایاز اور تانیہ آئے۔

عید کا دن بہت مصروف گزرا۔ رشتے دار، دوست احباب آتے رہے، ریشماں ٹرالی سجا سجا کر لاتی رہی اور طاہرہ اُن کی خاطر مدارات کرتی رہی۔ پورا دن گزر گیا۔ تانیہ اور ایاز نہ آئے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر طاہرہ نے سوچا کہ تانیہ کو فون کر کے پوچھے کہ وہ لوگ کیوں نہیں آئے۔ مگر پھر اسے خیال آیا کہ اگر ایاز نے کوئی الٹا پلٹا جواب دیا تو اس کو دکھ ہی ہوگا اس لیے بہتر ہے کہ وہ فون نہ ہی کرے۔ گیارہ بجے اس نے چوکیدار کو بلایا اور کہا کہ وہ اب سونے لگی ہے اب کوئی بھی آئے تو اسے بتا دے کہ وہ سو چکی ہے۔ صبح چوکیدار نے بتایا کہ تانیہ بی بی اور ایاز صاحب رات بارہ بجے آئے تھے۔ میں نے انھیں بتا دیا تھا کہ آپ سو چکی ہیں اور وہ چلے گئے تھے۔

طاہرہ کا دل پہلے ہی خراب تھا اب اور زیادہ ہو گیا۔ عید کا پورا دن گزار کر رات بارہ بجے آنے کی کیا ضرورت تھی، کیا پورا دن اتنا بھی وقت نہیں ملا کہ آدھے گھنٹے کے لیے ہی آ جاتے۔ اب طاہرہ کو اندازہ ہو گیا کہ یہاں اکیلے رہنا بیکار ہے سوائے یہ کہ ہر آنے والا دن مجھے اور زیادہ دکھی کر رہا ہے۔ یہ بہتر ہے کہ میں اب امریکہ عرفان کے پاس ہی چلی جاؤں۔ اُس نے عرفان کو فون کیا اور بتایا کہ وہ آنا چاہتی ہے۔ عرفان نے خوشی سے اجازت دے دی۔ اور طاہرہ نے چپکے چپکے تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے تانیہ کو کچھ نہ بتایا اس لیے کہ وہ وقت سے پہلے اُسے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اُس کے جانے میں دو دن رہ گئے تھے، طاہرہ کپڑوں کا ڈھیر، جاننے والوں کے لیے تحفے، دو عدد اٹیچی کیس لاؤنج میں رکھ کر اُنھیں پیک کر رہی تھی اور ریشماں اُس کی مدد کروا رہی تھی کہ اچانک تانیہ اور ایاز آ گئے۔ تانیہ تو ششدر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

''امی آپ کہاں جا رہی ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''امریکہ'' طاہرہ نے اطمینان سے جواب دیا۔

''کیوں؟'' اس نے رونا شروع کر دیا اور طاہرہ کے گلے لگ گئی۔

''اس لیے کہ تم میرے پاس آ کر نہیں رہتیں، یہاں رہنے کا مجھے کوئی فائدہ نہیں میں جا کر عرفان کی خدمت کیوں نہ کروں۔'' یہ بات سن کر تانیہ فوراً چپ ہو گئی۔

''آنٹی میں اتنے مہینوں میں کتنی دفعہ آپ سے ملوانے لایا ہوں کہ آپ گن بھی نہیں سکتیں۔'' ایاز ایک دم غصے میں آ گیا۔

''ایک ماں کو جس کی ایک ہی بیٹی ہو اس سے اس طرح نہیں ملواتے جس طرح تم ملواتے ہو۔'' طاہرہ نے بھی ناراضگی کا اظہار کیا۔

''تانیہ میں تو گھر جا رہا ہوں تم نے آنا ہے تو آ جاؤ۔''

ایاز چل پڑا۔

تانیہ نے گھبرا کر ماں کو دیکھا پھر خاوند کو اور پھر وہ ایاز کے ساتھ باہر چل پڑی۔ طاہرہ کچھ دیر انھیں جاتے دیکھتی رہی اُسے خیال بھی نہیں تھا کہ اس بات کا انجام یہ ہوگا۔ جب وہ لاؤنج سے نکل گئے تو وہ دوبارہ اٹیچی میں کپڑے ڈالنے لگی۔

''تانیہ باجی رک جاتیں۔'' ریشماں نے آہستہ سے کہا۔''اب تو آپ جا رہی تھیں نہ جانے کب واپس آئیں گی۔''

''تانیہ ڈرپوک لڑکی ہے۔'' طاہرہ نے ریشماں کو مطمئن کرنا چاہا۔

اگلا دن بہت مصروف تھا۔ رشتے دار، دوست احباب ملنے آ رہے تھے مگر طاہرہ کو جن کا انتظار تھا وہ لوگ نہ آئے۔ اگلی رات جہاز نے تین بجے اڑنا تھا۔ تین گھنٹے پہلے ایئرپورٹ پہنچنا تھا۔ بارہ بجے طاہرہ، ریشماں، ریشماں کی ماں اور ڈرائیور ایئرپورٹ پہنچے۔ طاہرہ حیران رہ گئی کہ ایاز اور تانیہ وہاں کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ تانیہ بھاگ کے ماں سے لپٹ گئی۔

''تم لوگ کاہے کو آئے ہو۔'' اس نے تانیہ کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

''کل سے تانیہ بہانے بہانے سے رو رہی تھی میں نے سوچا اُسے آپ سے ملوا لاؤں۔'' رونے کا سن کر طاہرہ کا دل ڈوب گیا۔''کیا میں نے غلطی کی ہے کہ اِسے اکیلا چھوڑ چلی ہوں۔'' اس نے دل میں سوچا۔''تم لوگ چھٹیاں وہاں آ کر گزارو۔ ٹھیک ہے۔'' اس نے ایک مرتبہ پھر تانیہ کو پیار کیا۔''اچھا بھئی اللہ کے سپرد، دیر سے جاؤں گی تو اچھی سیٹ نہیں ملے گی۔''

وہ فرار چاہتی تھی، فوراً ہی لابی کی طرف چلی گئی۔ اندر جانے سے پہلے پیچھے مڑ کر دیکھا تانیہ زار و قطار رو رہی تھی۔ طاہرہ نے دل میں سوچا اگر ایاز اپنا رویہ ٹھیک رکھتا تو وہ اتنی جلدی امریکہ نہ جاتی، اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اب تو وہ وہاں جا کر ہی سوچے گی کہ آگے کیسے چلنا ہے۔

ہفتے مہینے گزرتے جا رہے تھے۔ ہفتے میں ایک دو مرتبہ طاہرہ تانیہ کو فون کرتی، اُس وقت، جب ایاز کالج جا چکا ہوتا تھا۔ کبھی تو تانیہ خوش لگتی کبھی بہت اداس۔ خود تانیہ جب بھی فون کرتی پاکستان میں رات ہوتی۔ فون پر بات ہمیشہ ایاز شروع کرتا پھر کچھ منٹوں کے بعد وہ ریسیور تانیہ کو پکڑا دیتا۔ فون دس پندرہ منٹ کا ہی ہوتا۔ طاہرہ کیونکہ اس سے پہلے لمبا فون کر چکی ہوتی اس لیے وہ ان چھوٹے فونوں کو کوئی اہمیت نہ دیتی۔ اُس دن جب طاہرہ نے فون کیا تو اس نے محسوس کیا کہ تانیہ بہت آہستہ آہستہ بول رہی ہے۔

''تانیہ کیا بات ہے۔ تمھاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''امی میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ایاز مجھے ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے تھے، ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ خوشخبری ہے۔''

''بیٹی یہ تو خوشی کی بات ہے تم پریشان کیوں ہو؟'' طاہرہ نے ہنس کر کہا۔

''امی کچھ کھانے کو دل نہیں چاہتا آپ پاکستان آ جائیں میں نے آپ کے ہاتھ کا پکا ہوا آلو گوشت اور سفید

چاول کھانے ہیں۔''

طاہرہ بے ساختہ ہنس پڑی۔''کوئی بات نہیں میں ریشماں کو فون کرتی ہوں وہ تمھارے لیے آلو گوشت اور سفید چاول پکا کر ڈرائیور کے ہاتھ بھیج دے گی۔''

''نہیں میں نے آپ کے ہاتھ کے کھانے ہیں۔''اس نے بچوں والی ضد کی۔

''یہ تو ممکن نہیں میں اب آٹھویں نویں مہینے ہی آؤں گ امریکہ سے بار بار پاکستان آنا کون سا آسان ہے۔''

اس کے کہنے پر تانیہ سسکیاں لینے لگی۔ طاہرہ کا دل ایک بار پھر ڈوب گیا۔ میں نے تو سوچا تھا کہ ایک ہی بیٹی ہے میرا داماد میرا بیٹا ہی بن جائے گا مگر یہاں تو اسی طرح کا معاملہ ہو گیا ہے جیسے ایاز کی پوری کوشش ہے کہ وہ تانیہ کو مجھ سے چھین لے۔ اب اگر میں چلی بھی گئی تو حالات تو وہی رہیں گے، میرے پاس تو اس نے رہنے نہیں دینا تو اتنی جلدی جانے کا کیا فائدہ! اسے کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ ایاز نے اس کے ساتھ مقابلہ کیوں شروع کر رکھا ہے۔ اگر میں مرنجان مرنج ہوتی تو شاید حالات مختلف ہوتے، اس نے سوچا۔

نویں مہینے طاہرہ لدی پھندی لاہور پہنچی۔ طاہرہ نے اپنے آنے کی اطلاع تانیہ کو نہیں دی تھی، صرف ڈرائیور کو فون کر دیا تھا اور وہ ایئرپورٹ پہنچ گیا تھا۔ وقت رات کے ساڑھے تین بجے کا تھا، اُسے پکا یقین تھا کہ اگر تانیہ کو اطلاع مل گئی تو ایاز اکیلا نہیں آئے گا وہ اِس حال میں بھی تانیہ کو گھسیٹ کر لائے گا اور اس کی نیند بھی خراب کرے گا۔ صبح طاہرہ نے فون کیا، تانیہ حیران تھی کہ دو دن پہلے تو امی نے فون کیا تھا اب کیا بات تھی۔ جب طاہرہ نے بتایا کہ وہ لاہور سے بول رہی ہے تو تانیہ نے مارے خوشی کے رونا شروع کر دیا۔

''تانیہ میں ڈرائیور بھیجوں تمھیں لے آئے؟'' طاہرہ نے پوچھا۔

''امی میں آپ کو ابھی بتاتی ہوں میں ایاز کو آپ کے آنے کا بتا دوں۔'' تانیہ نے جواب دیا۔

طاہرہ بہت عقلمند تھی فوراً سمجھ گئی کہ یہ ایاز سے پوچھے بغیر نہیں آئے گی۔ تھوڑی دیر کے بعد تانیہ کا فون آ گیا۔

''امی ایاز بھی آنا چاہتے ہیں، ہم دونوں اکٹھے ہی آئیں گے۔''

طاہرہ کا دل جیسے بجھ سا گیا۔ پچھلے پہر دونوں آئے۔ تانیہ تو بہت دیر ماں سے لپٹ کر روتی رہی۔''بس کرو کیا ہو گیا ہے یہ رونے کا مقام نہیں خوش ہونے کا ہے۔'' ایاز نے کہا۔ تانیہ نے آنسو پونچھ لیے۔

حالات وہی تھے جو جانے سے پہلے تھے۔ کبھی وہ دونوں صبح چکر لگاتے کبھی پچھلے پہر اور کبھی رات کو۔ کبھی تو طاہرہ کو بہت غصہ آتا، کبھی تنگ پڑ جاتی، کبھی بیزار اور کبھی کبھی نارمل رہنے میں کامیاب رہتی۔

جس دن ایاز تانیہ کو لے کر ہسپتال پہنچا اس نے وہیں سے طاہرہ کو فون کیا کہ تانیہ ہسپتال داخل ہو گئی ہے آپ ہسپتال آ جائیں۔ طاہرہ پریشان ہو گئی۔ جلدی جلدی اٹیچی کیس اور بیگ جو پہلے سے تیار تھا اٹھایا اور ڈرائیور کو ساتھ

لے کر ہسپتال پہنچ گئی۔ ریسپشن سے کمرے کا نمبر پوچھا اور تیز تیز قدموں سے اس طرف چل پڑی۔ ڈرائیور پیچھے پیچھے سامان لے کر جا رہا تھا۔ ۱۳ نمبر کمرے کا دروازہ ہلکا سا کھٹکا کا اندر داخل ہوئی۔ تانیہ آنکھیں بند کر کے بستر پر لیٹی تھی۔ ایاز قریب کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

''تانی میری جان!'' طاہرہ نے تانیہ کے ماتھے کو چوما۔

تانیہ نے آنکھیں کھولیں ماں کو دیکھا تو بلک بلک کر رونے لگی۔ ''تانیہ رونے کی کیا بات ہے۔ رَبِّ یَسِّر وَلَا تُعَسِّر پڑھتی جاؤ اللہ تعالیٰ آسانیاں کرے گا۔'' اس کے بعد وہ ایاز کی طرف متوجہ ہوئی ''مجھے پہلے بتا تو دینا تھا ہسپتال پہنچا کر اطلاع دی۔'' طاہرہ کے دل میں ناراضگی تو تھی۔

''اس سے کیا فرق پڑتا تھا آپ نے بھی تو اُسے ہسپتال ہی لے کر آنا تھا۔''

ایاز نے عادت سے مجبور اُسی طرح کا جواب دیا جس سے طاہرہ کا دل جل جاتا تھا۔ وقت ایسا نہیں تھا کہ طاہرہ کوئی اور بات کہتی۔ ڈرائیور سامان چھوڑ کر جا چکا تھا۔ طاہرہ نے واش روم میں جا کر وضو کیا اور تانیہ کے بیڈ کے ساتھ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ اور دعائیں پڑھ پڑھ کر اُسے دم کرنے لگی۔

ایاز تانیہ کے پاس کھڑا اُس کے دونوں ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔

''اِسے بہت تکلیف ہے۔'' وہ پریشان تھا۔

''میں انھیں لیبر روم لے کر جا رہی ہوں۔'' نرس نے بچے کی دل کی دھڑکن سن کر کہا اور باہر چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد دو دایا ٹرالی لائیں اور تانیہ کو لے کر چلی گئیں۔ طاہرہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ مسلسل دعائیں پڑھ رہی تھی۔ اس نے جائے نماز بچھائی اور نفل پڑھنے لگی۔ ایاز خاموشی سے کرسی پر بیٹھا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد ایک نرس تیز تیز قدموں سے چلتی آئی۔

''آپ کو مبارک ہو بیٹا ہوا ہے، مجھے بچے کے کپڑے دیں۔'' طاہرہ نے شکرانے کا سجدہ کیا اور دعا مانگ کر کھڑی ہوگئی۔

''ایاز تمھیں بیٹا مبارک ہو۔'' اس نے کپڑے نکال کر نرس کو دیے۔

''آپ کو بھی مبارک ہو۔'' وہ خوش نظر آ رہا تھا۔

''کیس نارمل تھا؟ آپ تانیہ کو کب تک لائیں گی؟'' طاہرہ نے پوچھا۔

''جی نارمل تھا تھوڑی دیر میں لے آئیں گے۔'' وہ چلی گئی۔

طاہرہ نے موبائل پکڑا اور ایک نمبر ملایا۔ ''جان محمد تانیہ باجی کے بیٹا ہوا ہے تم پانچ کلو مختلف قسم کی مٹھائی بنوا لاؤ یہاں اسی کمرے میں۔''

''مٹھائی میں لے آتا آپ نے ڈرائیور کو کیوں کہا۔'' ایاز نے کہا۔

''کوئی بات نہیں تم بھی لے آنا۔'' اس نے آرام سے کہا۔ پھر اٹیچی کھولا اور آسمانی بیڈ شیٹ اور تکیے کے غلاف نکالے اور تانیہ کے بیڈ پر بچھائے۔

اس کے بعد اُس نے بے بی کوٹ میں بھی آسمانی شیٹ

بچھائی اور منے منے گول تکیے اور سرہانے نکال کر اُن پر بھی آسمانی غلاف جن پر سفید خوبصورت جھالریں لگی تھیں چڑھا کر کوٹ میں رکھ دیے۔تھوڑی دیر میں ہی ڈرائیور مٹھائی کی ٹوکری لے آیا۔ طاہرہ نے بیگ میں سے ڈسپوزیبل پلیٹیں نکالیں اور میز پر رکھ دیں۔ایاز غور سے طاہرہ کے کام دیکھ رہا تھا۔اتنی دیر میں نرسیں اور آیا لوگ ایک گروپ کی شکل میں تانیہ کی ویل چیئر لے کر آئے اور مبارک سلامت کا شور مچ گیا۔ابھی آپ تانیہ کو ویل چیئر پر ہی رہنے دیں میں پہلے سب کا منہ میٹھا کرادوں۔'' طاہرہ نے تانیہ کو چومتے ہوئے کہا۔

نرسوں اور آیاؤں میں مٹھائی بانٹ کر طاہرہ پھر تانیہ کے پاس آ گئی ایک بار پھر اس نے اس کا ماتھا چوما۔

''چلو میری جان میں تمہارے کپڑے بدلوا دوں۔'' وہ ویل چیئر لے کر باتھ روم کی طرف جانے لگی۔

''میں لے جاتا ہوں۔'' ایاز نے جلدی سے کہا اور ویل چیئر باتھ روم کی طرف لے گیا۔ طاہرہ نے تانیہ کے کپڑے نکالے۔ کپڑے بھی آسمانی تھے جن پر سفید ڈوری اور موتیوں کا کام ہوا تھا۔ایاز ویل چیئر باتھ روم میں پہنچا کر باہر آ گیا اور طاہرہ اندر چلی گئی۔ جب وہ ویل چیئر لے کر باہر آئی تو ایاز ششدر تانیہ کو دیکھ رہا تھا وہ اتنی فریش اور خوبصورت لگ رہی تھی کہ لگتا نہیں تھا کہ ابھی اس کا بچہ پیدا ہوا ہے۔

''دامی میں لیٹ جاؤں۔'' اُس نے پوچھا ''ہاں لیٹ جاؤ۔''

ایاز جلدی سے آگے آیا اور سہارا دے کر تانیہ کو بستر پر لٹا دیا۔تانیہ نے ایک لمبا سانس لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

''تھک گئی ہو۔'' ایاز نے کرسی کھینچی اور بیڈ کے ساتھ رکھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا ''تانیہ تم تو بہت ٹھنڈی لگ رہی ہو۔'' وہ مسکرایا ''بے بی کب اندر لائیں گے؟'' اس نے پوچھا۔

''معلوم نہیں'' تانیہ نے بند آنکھوں سے جواب دیا۔ وہ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی بہت ہی جلدی سو گئی۔ایاز نے کونے کی طرف کرسی گھسیٹی اور موبائل پر مختلف لوگوں کو اطلاع دینے لگا۔ طاہرہ ٹانگوں کی طرف کرسی کر کے آہستہ آہستہ تانیہ کی ٹانگیں دبانے لگی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ دروازہ کھلا اور ایک نرس بچے کو لے کر آئی ایاز جلدی سے کھڑا ہو گیا اور بچے کو پکڑ لیا۔

''کیسا پیارا بچہ ہے۔'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا ۔سفید گلابی گول مٹول نیلے کپڑوں میں وہ کوئی گڈا لگ رہا تھا ۔ایاز نے کچھ دیر دیکھ کر طاہرہ کی طرف بڑھایا۔ طاہرہ نے خوشی سے بسمہ اللہ کہہ کر گود میں لیا اور بچے کو سلام کیا۔ بے ساختہ اُسے ہنسی آ گئی۔

''یہ تو بالکل تانیہ لگتا ہے۔'' وہ اس وقت تمام ناراضگی بھول گئی تھی اُس نے دو تین مرتبہ ماتھا اور گال چوما تانیہ اتنی گہری نیند سوئی ہوئی تھی کہ اُسے کچھ پتہ نہیں تھا کہ کمرے میں کیا ہو رہا ہے۔''ایاز تم اس کے کان میں اذان دے دو ۔''اس نے ایاز کو بچہ پکڑاتے ہوئے کہا۔

''کس کان میں؟'' اس نے پوچھا۔

''دائیں میں اذان اور بائیں میں تکبیر'' طاہرہ نے کہا

ایاز نے بچے کو گود میں لے کر ایسے ہی کیا ''گھٹی کس نے دینی ہے تم نے یا تانیہ نے؟'' طاہرہ نے پوچھا۔

پیدائش سے بہت پہلے تانیہ نے ماں سے کہا تھا کہ بچے کو گھٹی آپ دیں۔ ''میں برداشت نہیں کروں گی اگر ایاز نے حسب عادت اس سے انکار کر دیا اور کہا کہ گھٹی کوئی اور دے اس لئے یہ مسئلہ چھیڑتا ہی نہ'' طاہرہ نے فوراً جواب دیا تھا اور تانیہ خاموش ہو گئی تھی اُسے خیال آیا تھا کہ واقعی اتنی بڑی بات اس نے کیسے کہہ دی۔

''گھٹی کیا ہوتی ہے؟'' ایاز نے پوچھا۔

''تھوڑا سا شہید بچے کے منہ میں ڈالتے ہیں پھر اس کے بعد دودھ یا پانی شروع کرتے ہیں'' ''وہ تو پھر تانیہ ہی دے۔'' ایاز نے کہا۔ تانیہ اُٹھ کر بیٹھ گئی طاہرہ ایک گلاس میں پانی لائی اور ایک پیالہ۔ ''تانی بیٹی پہلے دایاں ہاتھ دھولو پھر شہادات کی انگلی پر شہد لگا کر بسمہ اللہ کہہ کر بچے کے منہ میں انگلی ڈال دو۔''

تانیہ نے ویسے ہی کیا، تانیہ اور ایاز حیران رہ گئے جب بچے نے زور زور سے چاٹنا شروع کر دیا ''امی یہ دیکھیں یہ کیا کر رہا ہے۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''ہاں بیٹی اللہ تعالیٰ پیدائش پر ہی بچے کو پینا سکھا کر بھیجتا ہے۔'' تھوڑی دیر گزری تو ایاز کی تمام بہنیں بمعہ بچوں اور خاوندوں کے بچے کو دیکھنے آئے۔ مبارک مبارک کا شور مچ گیا، ہر ایک کے ہاتھ میں تحفے تھے بیٹھنے کو جگہ نہ تھی۔ ایاز نے بچے کو گود میں لے کر سب کو دکھایا۔ طاہرہ نے سب کا منہ میٹھا کرایا۔

''میرا خیال ہے ہم لوگ لابی میں بیٹھ جائیں تانیہ آرام کر لے۔'' ایک بہنوئی نے کہا اور سب لوگ باہر نکل گئے۔ جب تانیہ اکیلی رہ گئی تو طاہرہ نے پوچھا۔ ''تانیہ تم چھٹی ہونے پر میرے ساتھ گھر چلو گی؟''

امی معلوم نہیں ایاز پہلے ہی کہہ رہے تھے کہ تم اپنے گھر ہی آنا۔'' اس نے آہستہ سے کہا ''تمہیں وہاں کون سنبھالے گا؟''

''یہ تو پتا نہیں، امی آپ چلیں'' تانیہ نے التجا کی۔

''تم ماں کے گھر نہ آؤ اور میں بیٹی کے گھر پہنچ جاؤں'' طاہرہ نے ناراضگی سے کہا۔ تانیہ نے رونا شروع کر دیا۔

''امی آپ میرے ساتھ ایسے نہ کریں میں مجبور ہوں۔'' اچھا اچھا رومت میں ایک بار تو ایاز سے بات کروں گی پھر دیکھتی ہوں کیا جواب دیتا ہے۔'' طاہرہ نے ناراضگی سے کہا۔ اتنے میں دروازہ کھٹکا۔

''آ جاؤ'' طاہرہ نے کہا۔ ڈرائیور کھانا لے کر آ گیا تھا۔ ''بیگم صاحبہ کھانا بھی ہے اور ریشماں نے سوپ بھی بنا دیا ہے۔''

''بہت اچھا کیا میں فون کرنا ہی چاہ رہی تھی تو مہمان آ گئے اور میرے ذہن سے بات نکل گئی ہاٹ کیس میں چاول، سالن، پھلکے تھے ایک ٹوکری میں سوپ، کباب اور کسٹرڈ تھا۔

''رات کے لئے کیا لانا ہے؟'' ڈرائیور نے پوچھا۔

''میں فون کر کے بتا دوں گی شاید رات تک چھٹی مل

جائے'' طاہرہ نے سوپ کا ڈبہ کھول کر کہا۔ ڈرائیور سلام کر کے چلا گیا۔

طاہرہ نے پیالے میں سوپ ڈالا۔ ''تانیہ بیٹی بیٹھ جاؤ میں سوپ پلا دوں۔'' طاہرہ نے پیار سے کہا۔ تانیہ کے رونے سے طاہرہ کا دل ہل گیا تھا۔

''امی میں خود پی لیتی ہوں۔'' تانیہ ماں کا غصہ ختم ہوتے دیکھ کر خوش ہوگئی تھی وہ بیٹھ کر سوپ پینے لگی۔ دروازہ کھلا۔ ایاز ہنستا ہوا اندر داخل ہوا ''میں نے سب کو بھگا دیا ہے سب ایک مرتبہ پھر اندر آنا چاہتے تھے مگر میں نے کہہ دیا کہ رات تک چھٹی ہو جائے گی، تانیہ نے گھر ہی آنا ہے جی بھر کر بچے کو دیکھ لینا۔''

''تانیہ اپنے گھر جائے گی اس حالت میں؟'' طاہرہ کے ماتھے پر بل تھے۔

''وہاں میری بہنیں ہوں گی وہ تانیہ کی دیکھ بھال کر لیں گی۔ ویسے آپ ہمارے گھر کیوں نہیں چلتیں اپنے اکلوتے نواسے کے پاس کچھ دن تو رہیں۔'' طاہرہ خاموش رہی اُسے تانیہ کا رونا بھولا نہ تھا۔

شام کو تانیہ کو چھٹی مل گئی طاہرہ نے فون کر کے ڈرائیور کو بلوالیا ''تانیہ میں گھر چلتی ہوں، ریشماں کو بھجوا دونگی وہ کچھ دن تمہارے پاس رہ لے گی۔''

اُس نے تانیہ کے ماتھے پر پیار کیا پھر بچے کا منہ چوما اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

''خادمہ کی ضرورت تو نہیں تھی باجی، آپا وغیرہ تمہارا دھیان رکھ تو سکتی تھیں'' ایاز نے کہا۔

''آپ انہیں کیوں تکلیف دیتے ہیں دو چار دن کی بات ہے میں ریشماں کو واپس بھجوا دونگی'' رات کو ڈرائیور ریشماں کو چھوڑ گیا۔ اگلے دن تانیہ کے موبائل پر کال آئی وہ طاہرہ تھی۔ طاہرہ نے حال پوچھا اور یہ بھی پوچھا کہ وہ کیا کھانا چاہے گی، پھر حسب خواہش پکوا کر بھجوا دیا اسی طرح چھ دن ہوئے۔ ہر صبح طاہرہ پوچھ لیتی اور پھر وہی چیز پکوا کر بھجوا دیتی۔ ساتویں دن صبح صبح طاہرہ نے تانیہ سے پوچھا۔

''تانیہ عقیقہ کا کیا پروگرام ہے؟'' ''امی یہاں تو کوئی پکے عقیقے کی باتیں ہو رہی ہیں۔'' تانیہ نے جواب دیا۔

''پکا عقیقہ؟ کیا مطلب؟ تمہیں پتا ہی ہے کہ ساتویں دن تین کام کرنے ہوتے ہیں جو سنت ہیں، لڑکے کے دو بکرے، لڑکی کا ایک بکرا ذبح کرتے ہیں، دوسرا بال اتر واتے ہیں، تیسرا نام رکھتے ہیں۔ پکے عقیقے کا تو کوئی مسئلہ نہیں وہ تو دعوت ہوئی جس کو عقیقہ کہہ دیتے ہیں۔''

''امی میں تو چپ ہوں اب گھر والے ہی جانیں'' تانیہ نے آہستہ سے کہا ''آج بکروں کی تو کوئی بات نہیں نہ بال اتروانے کا ذکر ہے۔''

''تانیہ تم کم از کم صحیح بات تو انہیں بتا دیا کرو حد ہوگئی ہے ڈرکس بات ہے کا ہے۔'' طاہرہ کو غصہ آ گیا۔ ''میں دو بکرے منگوا کر ذبح کروالوں گی اور ڈرائیور کے ساتھ نائی کو تمہارے ہاں بھجوا دوگی وہ بال کاٹ دے گا۔ نام کا کیا فیصلہ ہوا ہے؟''

''نام تو پہلے دن سے ہی عثمان رکھ دیا تھا۔'' تانیہ نے کہا۔

''چلو کچھ تو کیا۔ گوشت بھجوا دوں یا یہاں ہی بانٹ دوں؟'' طاہرہ نے پوچھا۔

''نہیں امی آپ بانٹ دیں یہ لوگ برا نہ منائیں۔ میں اب بہت بہتر ہوگئی ہوں میں ریشماں کو ڈرائیور کے ساتھ بھجوادوں گی۔''

وقت برق رفتاری سے گزر رہا تھا، دن ہفتوں میں ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں۔ طاہرہ کا زیادہ وقت اب امریکہ میں گزرتا تھا۔امریکہ میں بھی وہ بے چین رہتی اور پاکستان آکر بھی پریشان اور دکھی۔ایاز کے وہی طور طریقے تھے، پہلے تانیہ کو قابو کیا تھا اب اس کے ساتھ عثمان کو بھی جکڑ لیا تھا۔ بہت مرتبہ عثمان نے نانی کے پاس رہنے کو کہا مگر ایاز کبھی بھی نہ مانا ''مل تو لیا ہے اب گھر چلتے ہیں'' اس کا یہی جواب ہوتا تھا۔طاہرہ نے تو روکنا بھی چھوڑ دیا تھا۔

عثمان سات سال کا ہوگیا۔اس کا قرآن ختم ہو رہا تھا۔ تانیہ اور ایاز اس کی 'آمین' بہت شاندار کرنا چاہتے تھے۔ طاہرہ اُن دنوں امریکہ تھی۔تانیہ نے بہت مرتبہ فون کیا کہ وہ پاکستان آجائیں تو آمین کریں۔ایاز نے بھی دو تین مرتبہ فون پر آنے کی دعوت دی۔طاہرہ نے خوشی خوشی بہت ساری چیزیں عثمان کیلئے خریدیں اور ایک اٹیچی پورا اس کی چیزوں سے بھر لیا۔ دوسرے میں تانیہ، ایاز اور دوسرے رشتے داروں کے تحفے ڈال لئے۔عرفان نے بھی دو ہفتے کی چھٹی لی اور دونوں پاکستان پہنچے۔رات تین بجے جہاز نے لینڈ کیا۔ڈرائیور کو اُس نے فون کر دیا تھا وہ بھی ائیر پورٹ پہنچ گیا، ایاز ، تانیہ اور عثمان بھی آگئے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے گزر گئے مگر عرفان اور طاہرہ باہر نہ آئے۔

تانیہ بہت پریشان تھی عثمان بہت بے چین تھا کہ کب اس کی چیزیں اُسے ملیں آخر طاہرہ اور عرفان تھکے ہارے باہر آئے دونوں سب سے ملے۔

''امی کیا بات تھی اتنی دیر؟'' تانیہ نے پوچھا۔

''بھئی عثمان کا اٹیچی نہیں ملا۔اب فارم فل کر کے دیا ہے اللہ کرے مل جائے میں نے اتنی پیاری پیاری چیزیں لی تھیں'' طاہرہ نے عثمان کو پیار کیا۔عثمان تو بہت دل برداشتہ ہوگیا'' چلیں گھر اب اٹیچی ملے گا تو وہ اطلاع دے دیں گے۔''

گھر پہنچتے پہنچتے صبح کے سات بج گئے۔ریشماں نے شاندار ناشتہ تیار کر کے میز پر رکھ دیا تھا، سب نے کیا اور لاؤنج میں آگئے۔

'دبھئی میں تو ذرا سو جاؤں دورانِ سفر جاگتا رہا ہوں۔''عرفان نے کہا اور بیڈروم میں چلے گئے۔

''امی آپ بھی سو جائیں آپ بھی تھکی ہوں گی ہم بیٹھے ہیں۔''

تانیہ نے کہا۔

''تانیہ ہم بھی گھر چلتے ہیں شام کو آجائیں گے۔'' ایاز نے کہا۔

تانیہ اور عثمان اُٹھ کھڑے ہوئے۔طاہرہ بہت تھکی ہوئی تھی اُس نے انہیں روکا نہیں وہ چلے گئے اور طاہرہ بھی سو گئی۔شام کو گہما گہمی ہوگئی، تانیہ ایاز اور عثمان بھی آگئے اور قریب کے رشتے دار بھی۔فیصلہ یہ ہوا کہ جمعہ کے مبارک دن

آمین کی جائے۔ سب لوگ چائے پی رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجلی طاہرہ نے اٹھایا بات کرتے ہوئے اس کا چہرہ کھل گیا فون بند کر کے اس نے بتایا کہ عثمان کا اٹیچی مل گیا ہےاور پی آئی اے والے کہہ رہے ہیں کہ آ کر لے جائیں۔

''آپ لوگ چائے پیئیں میں فٹا فٹ لے آتی ہوں۔

''امی ہم بھی ساتھ چلیں'' تانیہ نے خوشی سے کہا۔

''نہیں تم آنے جانے والوں کو اٹینڈ کرو میں بس گئی اور آئی۔'' طاہرہ نے پرس پکڑا اور جلدی سے باہر نکل گئی۔

دو گھنٹے گزر گئے طاہرہ نہ آئی تانیہ پریشان ہونے لگی ۔''اتنی دیر کیوں ہوگئی ہے'' وہ بار بار ایاز سے پوچھتی۔

''کوئی نہیں ٹریفک بھی تو بہت خراب ہے گاڑی کہیں پھنس گئی ہوگی۔''

آہستہ آہستہ مہمان جانا شروع ہو گئے پھر ایک وقت آیا کہ تانیہ، ایاز عثمان اور ایاز کے فیملی ممبر رہ گئے۔ رات کا کھانا ان سب کا عرفان کے گھر ہی تھا اس لئے سب طاہرہ کا انتظار کر رہے تھے۔ تانیہ واش روم میں گئی کہ پیچھے سے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی ایاز نے اٹھایا۔

''**انا للہ و انا الیہ راجعون**''اُس کا رنگ زرد تھا، ہونٹ کپکپا رہے تھے وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

'دایاز خیر ہے'' آپا نے پوچھا۔

''خالہ جان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔''

''پھر......؟'' وہ جلدی سے قریب آئی ''وہ فوت ہوگئی ہیں'' ایاز کی آواز میں تھرتھراہٹ تھی۔

سب سر تھام کر بیٹھ گئے تانیہ لاؤنج میں آئی ایاز کی آپا نے بھاگ کر تانیہ کو گلے سے لگا لیا۔

''کیا ہوا ہے، کیا ہوا ہے'' اُس نے سب کی شکلیں دیکھیں۔

''تانیہ خالہ جان ایکسیڈنٹ میں فوت ہو گئی ہیں ۔'' آپا نے تانیہ کا منہ چومتے ہوئے کہا۔

''کون خالہ جان؟ میری امی؟؟ نہیں وہ تو عثمان کا اٹیچی لینے گئی تھیں۔''

پھر وہ تیزی سے ایاز کی طرف مڑی اور ایاز کے سینے پر ہاتھ مارنے لگی ''میری امی، میری امی''

وہ زور زور سے چیخ رہی تھی۔ عثمان روتا ہوا ماں کی ٹانگوں سے چمٹ گیا۔ ایاز کے بہنوئی اٹھ کر ایاز کے قریب آئے ''ایاز تم انہیں بیڈ روم میں لے جاؤ میں ڈاکٹر کو لاتا ہوں۔''

شور سن کر عرفان بیڈ روم سے لاؤنج میں آئے، تانیہ اونچی اونچی بہکی بہکی باتیں کر رہی تھی سب پریشان کھڑے تھے ایاز کی بہنیں رو رہی تھیں۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے ایاز سے پوچھا۔

''خالہ جان کا واپسی پر ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے'' ایاز نے آہستہ سے کہا۔

''اللہ خیر کرے طاہرہ ٹھیک تو ہے'' عرفان کا رنگ زرد تھا اور ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

''۱۲۲ والے اُنہیں ڈیفنس ہسپتال لے گئے تھے مگر وہ فوت ہوگئی ہیں انہوں نے فون پر بتایا ہے۔''

''ابو میری امی، میری امی کہاں ہیں، وہ ائیر پورٹ گئی

تھیں ابھی تک نہیں آئیں آپ جا کر انہیں لائیں'' وہ عرفان کے بازو کھینچنے لگی۔عرفان اسے سینے سے لگا کر اُس کی کمر سہلا نے لگا اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

''ایاز اسے بیڈ روم میں لے چلتے ہیں کوئی ڈاکٹر کو بلا لائے۔''

دونوں نے تانیہ کو بازوؤں سے پکڑا اور بہت مشکل سے بیڈ روم میں لائے اور بستر پر لٹا دیا۔تانیہ نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی تھی''میری امی کو لائیں، جلدی میری امی کو لائیں ۔''

تھوڑی دیر میں ایاز کے بہنوئی ڈاکٹر کو لے آئے، راستے میں انہوں نے پوری بات بتا دی تھی۔ڈاکٹر نے تانیہ کی حالت دیکھی تو کہا۔''میرا خیال ہے انہیں نیند کا ٹیکہ لگا دیتے ہیں۔ٹنشن زیادہ رہی تو بریک ڈاؤن ہی نہ ہو جائے ۔''

انجکشن کے بعد کچھ دیر تو وہ پھٹی پھٹی نظروں سے سب کو دیکھتی رہی پھر غنودگی میں جانے لگی اور دس پندرہ منٹ میں گہری نیند سو گئی۔ایاز اور اس کے بہنوئی تو ہسپتال طاہرہ کی ڈیڈ باڈی لینے چلے گئے، بہنوں نے گھر سنبھال لیا۔تمام کام بہت اچھی طرح سے ہو گئے۔اگلے دن دس بجے طاہرہ کو اس کی منزل پر پہنچا دیا۔بارہ بجے کے قریب تانیہ جاگی۔

اُس نے دیکھا کہ وہ اپنے کمرے میں اپنے ہی بیڈ پر ہے۔پاس کرسی پر ایاز سویا ہوا تھا۔''میں سو کیسے گئی؟'' وہ دماغ پر زور ڈالنے لگی اُسے لگا جیسے اُسے چکر آ رہے ہیں، اُس نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور سوچنے لگی تھوڑی دیر کے بعد پھر آنکھیں کھولیں اور گھڑی کو دیکھا۔بارہ بج رہے تھے اس کے بعد اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ہلکی ہلکی دھوپ اندر آ رہی تھی اُسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ بیڈ پر کیوں سوئی ہوئی تھی اور وہ کب سوئی تھی۔اُس نے چھت کی طرف دیکھنا شروع کر دیا اور پھر اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور سوچنے لگی۔

''میں تو امی کے پاس آئی تھی۔امی امریکہ سے آ گئی تھیں۔عثمان کی آمین تھی .....نہیں وہ تو ابھی ہونی تھی ..... امی تو عثمان کا اٹیچی لینے ائیر پورٹ گئی تھیں ..... پھر وہ آئی تھیں.....؟ شاید نہیں.....پھر کیا ہوا.....'' وہ اُٹھ بیٹھی۔

''ایاز امی ائیر پورٹ سے آ گئی تھیں؟'' اُس نے جلدی سے ایاز کا کندھا ہلایا ایاز گھبرا کے اُٹھ گیا، پھر تانیہ کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر بولا۔

''تانیہ! خالہ جان واپس نہیں آئیں''

''کیوں واپس نہیں آئیں بتائیں نا''

اُن کا واپسی پر ٹرالے کے ساتھ ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔''

''پھر کیا ہوا وہ زخمی ہو کر ہسپتال چلی گئیں'' وہ جھٹکے سے نیچے اُتر آئی۔''ہاں ۱۱۲۲ والے انہیں ہسپتال لے گئے'' ایاز نے آہستہ سے کہا۔

''جلد بتاؤ پھر کیا ہوا؟'' اُس نے چیخ کر کہا۔

''زخموں کی تاب نہ لا کر وہ فوت ہو گئیں'' ایاز نے رُک رُک کر اسے بتایا۔

''مجھے اکیلا چھوڑ گئیں'' تانیہ نے بلک بلک کر رونا شروع کر دیا''مجھے اکیلا چھوڑ گئیں''''تانیہ تم اکیلی نہیں ہو۔

میں ہوں عثمان ہے تمہارے ابو ہیں۔ایسے نہ کہو۔''

''ایاز وہ صرف میری امی نہ تھی وہ تو میری بڑی بہن تھیں وہ میری سہیلی بھی تھیں۔''

ساتھ کے کمرے میں عرفان نے رونے کی آواز سنی تو فوراً تانیہ کے کمرے میں آئے باپ کو دیکھ کر تانیہ بھاگ کر عرفان کی طرف آئی اور اس کے سینے سے چمٹ گئی۔

''ابو! میری امی''

''تانیہ جہاں طاہرہ گئی ہے وہاں ہم سب نے بھی جانا ہے فرق صرف یہ ہے کہ وہ پہلے چلی گئی ہم بعد میں جائیں گے ، دعا کرو ہم سب جنت میں پھر اکٹھے ہو جائیں۔''عرفان تانیہ کی کمر کو آہستہ آہستہ سہلا رہے تھے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے گر گر کر تانیہ کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔ایاز نے گھر فون کیا کہ تانیہ جاگ گئی ہے آپ سب لوگ عثمان کو لے کر آجائیں۔تھوڑی دیر بعد سب آگئے۔عثمان روتی ماں کو دیکھ کر سہم گیا اور پھر''امی امی'' کہتا ہوا تانیہ سے چمٹ گیا۔

''عثمان تمہاری نانی اماں ہمیں چھوڑ کر اللہ میاں کے پاس چلی گئی ہیں۔'' وہ اسے پیار بھی کرتی جارہی تھی اور روتی بھی جارہی تھی۔ایاز کی بہنیں بہت دیر تانیہ کے پاس رہیں۔دوپہر کا کھانا ایاز کے گھر سے آیا۔زیادہ لوگ تو چلے گئے تھے۔قریبی رشتے دار ہمسائے تھے جنہوں نے تھوڑا بہت کھایا۔واپسی پر ایاز کی آپا نے پوچھا کہ وہ گھر کب آئے گا۔ایاز نے انہیں بتایا کہ جب تک عرفان لاہور میں ہیں وہ یہیں ہی رہے گا۔

جو بھی تعزیت کیلئے آتا وہ طاہرہ کی باتیں کرتا خود بھی روتا اور تانیہ کو بھی رُلاتا، بار بار رونے سے اس کے دل کا بوجھ کم ہوتا جارہا تھا۔رات نو بجے ایاز نے تانیہ سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر کیلئے گھر جارہا ہے۔

''میں بھی چلوں؟'' اُس نے روٹین کے حساب سے پوچھا۔

''نہیں تم یہیں رہو میں اپنے ،تمہارے اور عثمان کے کپڑے لے آؤں۔''

اور ایاز باہر چلا گیا۔عثمان تانیہ کے پاس آکر لیٹ گیا۔تانیہ اسے تھپکنے لگی۔سامنے طاہرہ اور عرفان کی تصویر لگی ہوئی تھی۔تصویر پر نظر پڑتے ہی اُس کا دل بھر آیا۔

''امی میں کل بھی آپ کے گھر سوئی تھی میں آج بھی آپ کے گھر سو رہی ہوں۔امی اگر آپ زندہ ہوتیں تو کتنا خوش ہوتیں'' اور پھر وہ بلک بلک کر رونے لگی۔عثمان جو سونے کے قریب تھا ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''امی آپ نہ روئیں'' وہ اُس کا منہ چومنے لگا۔تانیہ نے اپنے آنسو پونچھ لئے۔

تعزیت کرنے والے مسلسل آجارہے تھے۔عثمان نے سکول جانا شروع کر دیا تھا۔ایاز بھی تین دن کے بعد کالج جانا شروع ہو گیا تھا۔عرفان کی پوری کوشش ہوتی کہ وہ زیادہ سے زیادہ تانیہ کے پاس ہی رہے۔اُس کے جانے کے دن قریب آرہے تھے وہ بہت اُداس تھا کہ طاہرہ کے بغیر وہاں کیسے رہ سکے گا۔

تانیہ دل میں بہت حیران تھی کہ ایاز نے ایک مرتبہ بھی

اُسے اپنے گھر جانے کا نہیں کہا تھا۔ اتوار کا دن تھا، عرفان ایاز تانیہ اور عثمان انے اکٹھے ناشتہ کیا۔ ناشتے کے دوران کوئی خاص بات نہ ہوئی۔ عرفان تو ناشتہ کر کے اپنے کمرے میں چلے گئے تانیہ ایاز اور عثمان تانیہ کے بیڈ روم میں آ گئے۔ ریشماں اخبار کمرے میں رکھ گئی تھی تانیہ تو پھر بستر پر لیٹ گئی۔ طاہرہ کے جانے کے بعد تانیہ کا یہی دل چاہتا تھا کہ وہ آنکھیں بند کر کے لیٹی رہے اور تصورات میں ایک بار پھر وہ اور طاہرہ اکٹھے بازاروں میں جائیں، کھانا کھائیں باغ میں گھومیں۔ ایاز اخبار کھول کر پڑھنے لگا۔ عثمان اپنی ریموٹ کنٹرول والی گاڑی جو طاہرہ امریکہ سے لائی تھی چلانے لگا۔

گاڑی چلاتے چلاتے وہ بولا۔ ''ابو کل ہماری ٹیچر نے بتایا تھا کہ دنیا میں ہر انسان کا کوئی نہ کوئی آئیڈیل ہوتا ہے جس سے وہ بہت متاثر ہوتا ہے آپ کا کون ہے؟''

عثمان کے سوال پر ایاز نے اخبار بند کر دیا پہلے عثمان کو دیکھا پھر آنکھوں پر ہاتھ رکھے تانیہ کو۔ عثمان کے سوال پر تانیہ نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا دیئے اور عثمان کو دیکھنے لگی۔

''بتائیں نا! ابو'' وہ ایاز کے قریب آ گیا۔

''تانیہ چائے کی پیالی مل سکتی ہے؟'' اس نے کہا۔

تانیہ نے گھڑی دیکھی، ناشتہ کئے ابھی آدھا گھنٹہ ہی ہوا تھا وہ کچھ حیران رہ گئی اور اُٹھ کر باورچی خانے کی طرف گئی۔ ریشماں برتن دھو رہی تھی۔

''ریشماں ایاز کیلئے ایک کپ چائے بنا لاؤ۔''

''آپ کے لئے بھی؟'' اُس نے پوچھا۔

''نہیں ابھی تو ناشتہ کیا ہے''

اور وہ واپس آئی دروازے کے قریب پہنچی تو پھر آواز آئی۔

''ابو آپ بتائیں نا کہ کون آپ کا آئیڈیل ہے؟''

تانیہ دروازے کے باہر ہی رُک گئی۔

''تمہاری نانی اماں۔ وہ میرا آئیڈیل تھیں ان سے میں بہت متاثر تھا۔''

''میری نانی اماں!'' عثمان نے چہک کر کہا۔

''آپ نے انہیں بتایا تھا کہ وہ آپ کی آئیڈیل ہیں؟'' عثمان نے اشتیاق سے پوچھا۔

''نہیں اس کا موقع ہی نہ ملا'' ایاز کی آواز میں مایوسی تھی۔

تانیہ کا سر خود بخود دیوار کے ساتھ لگ گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ایاز آپ کی وجہ سے میری ماں اتنی دکھی اس دنیا سے گئیں اور آپ انہیں آئیڈیل بنائے بیٹھے تھے۔''

چلتے چلتے

الحمد للہ! ''چلتے چلتے'' آج ہم آٹھویں برس میں قدم رکھ رہے ہیں۔اقبال نے کہا تھا

کام اپنا ہے صبح وشام چلنا
چلنا، چلنا مدام چلنا

ہمارا یہ کالم بھی شاید ایک تارہ ہی ہے جو تبسم ریز صنوفشانیوں کے ساتھ ساتھ تڑپ تڑپ کر قارئین کی ، ایک درست سمت کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔اگر اس کالم نے کسی ایک قاری کو بھی راہِ عمل ..... راہِ نجات دکھلا دی تو سمجھئے کہ ہماری محنت ٹھکانے لگی ۔ ہم ایک پُر آشوب دور سے گزر رہے ہیں۔خلیل الرحمٰن اعظمی کے بقول

؎ بس اک حسینؓ کا نہیں ملتا کہیں سراغ
یوں ہر گلی یہاں کی ہمیں کربلا لگی

اور جو جادۂ حسینؓ پر گامزن ہیں انہیں دہشت گرد کا لقب دے کر ان کی جان مال ،خون ہر چیز اپنے اوپر حلال کر لی ہے۔اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہوگی؟

آیئے! آج کی چند خبریں دیکھتے ہیں:

''امریکی خواتین فوجیوں کی خودکشی کی شرح میں اضافے۔خاتون فوجیوں کی شرح ایک لاکھ میں 5 سے 15 ہو گئی: یو ایس ٹوڈے کی رپورٹ''

ایسے ہی موقع پر ایک محاورہ بولا جاتا ہے، جس کا کام اسی کو ساجھے ، کوئی کرے تو ٹھینگا باجے ۔عورت بہر حال عورت ہے ضعفِ نازک ۔وہ بھاری بھرکم ہتھیار اٹھانے اور جنگی مشقیں کرنے کے لئے پیدا نہیں کی گئی ہے اس نازک آئینے پر تو بعض اوقات پھول بھی پتھر بن کر لگتا ہے۔اپنے پیاروں سے جدائی ، بچوں سے دوری ، جنگی ماحول میں علیحدگی کا احساس .....ایسے میں خودکشی کی طرف ہی دھیان جاتا ہے ایمان کی رتی تو پاس ہے نہیں جو اس حرام موت پر قدم روک لے۔ضمیر ٹوک دے سچ ہے سائنس وٹیکنالوجی کے دورِ عروج میں دلوں میں اتنا اندھیرا ہے.....اتنی تاریکی ہے کہ ہاتھوں کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔

؎ ہم وہ شب زاد کہ سورج کی عنایات میں بھی
اپنے بچوں کو فقط کورنگاہی دیں گے

''برطانوی فوجیوں کی آنکھیں بچانے کیلئے خصوصی چشمے دیئے جائیں گے دھماکے کے دوران پڑنے والے گند سے بچانے کے لئے وزارتِ دفاع نے ابتدائی طور پر 92 ہزار چشمے کے جوڑوں کا آرڈر دیا ہے جن پر 34 ملین پونڈ لاگت آئے گی''

جی ہاں! روپے نہیں، ڈالر نہیں بلکہ پونڈ وہ بھی 34 ملین

پونڈ۔ بات ہوئی نا اپنے فوجیوں کو، اپنے لوگوں کو عزیز رکھنے کی، کوئی پاکستان تھوڑا ہے جو اپنے ہی بھائیوں کو اٹھوا بھی دے، بکوا بھی دے، مروا بھی دے۔ خود پکڑ پکڑ کر انکے حوالے کرے اور اپنے ہی نوجوانوں کے قاتل کو جاسوس کو بھی عزت و احترام سے انہیں واپس کر دے۔ افسوس! آنے والا مورخ کن الفاظ میں امریکہ کے ان پٹھوؤں کو یاد کرے گا

؎ یہ بستی جانی پہچانی بہت ہے
یہاں وعدوں کی ارزانی بہت ہے
شگفتہ لفظ لکھے جا رہے ہیں
مگر لہجوں میں ویرانی بہت ہے
ہے بازاروں میں پانی سر سے اونچا
مرے گھر میں بھی طغیانی بہت ہے

یہ خبر پڑھتے ہی ہمیں خیال آیا کہ اتنے گراں قیمت چشمے خریدنے کی بجائے اگر یہ برطانوی حکومت خود اپنی آنکھوں پر صداقت و دیانت کا چشمہ لگا لے جو تعصب سے پاک ہو تو سارے مسائل ہی ختم ہو جائیں۔ ظاہر ہے ایسا چشمہ لگاتے ہی اسے اتحادی فوج سے فوراً نکل آنا ہوگا اور وہاں سے نکلنے کا مطلب افغانستان سے نکلنا ہے۔ سو ایسے خاص چشمیتو پھر فوجیوں کے کام نہ آسکیں گے۔ سو بچت کی بچت اور جانوں کی سلامتی کا الگ فائدہ کیسا اچھا اور دوررس نتائج کا حامل ہے ہمارا مشورہ۔ مگر کوئی مانے تو۔

وہاں تو بظاہر گرج ہی گرج سنائی دے رہی ہے ہم آئندہ اتنے سال تک رہیں گے یہاں، ہم چھوڑ کر گئے تو طالبان پھر کنٹرول سنبھال لیں گے وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ جاننے والے جانتے ہیں اور زمینی حقائق ثابت کر رہے ہیں کہ نیٹو افواج کے لئے ..... امریکہ راج کے لئے سرزمین افغانستان ایک دلدل بن چکی ہے۔ افغانی قوم کی تاریخ اٹھا کر پڑھ لیجئے یہ قوم کس کے آگے جھکی ہے؟ جو امریکہ بہادر اسے جھکانے کے درپے ہے 541 قیدی رہا کرائے جھڑپ میں 14 اہلکار مارے گئے جیلر بھی اغواء کر لیا گیا۔ 3 ماہ میں 360 میٹر طویل سرنگ کھودی گئی ایک عشرہ گزر گیا۔ کفر کا عالمی اتحاد اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ موجود ہے۔ خود پاکستان راہ دینے والوں اور راہ دکھانے والوں میں ہے ادھر بے سروسامانی کا عالم ہے قید و بند کی فضا ہے۔ مگر پھر بھی حالات یہ ہیں کہ بش کے بعد اوباما کے ماتھے کی شکنوں میں بھی اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے افغانستان کا سوچتے ہی رنگت کچھ اور سانولی ہو جاتی ہے کرب سے ہونٹ کچھ اور بھنچ جاتے ہیں اور ایک دبی دبی سے سسکی نکل جاتی ہے

؎ جس اجالے کی طرف دیکھا، اندھیرا نکلا
کیا میرے خواب تھے اور کیسا نتیجہ نکلا

''مجھے قانون کا تجربہ نہیں تو دوسرے وزراء کون سے اپنے شعبوں میں ماہر ہوتے ہیں: وزیر قانون مولا بخش چانڈیو''

قارئین کو یاد ہوگا یہ نئے وزیر قانون بابر اعوان صاحب کی جگہ نامزد کئے گئے ہیں جو از خود مستعفی ہو کر سپریم

کورٹ میں بھٹو صاحب کو باعزت بری کروا کر دوبارہ مسند اقتدار ان کے سپرد کریں گے اخبارات کے مطابق انہیں پھانسی ملنے پر ان صاحب نے مٹھائی بھی تقسیم کی تھی تب جناب ضیاء الحق صاحب کا دور تھا.....اب زرداری صاحب کا دور ہے۔ گویا ہر دوادوار میں بابر صاحب کا فیصلہ عین مثل بابری کا مصداق ہے۔ وہی کہ

؎ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

زرداری صاحب کے خیال میں عدلیہ آج کل فراغت میں ہوگی۔ لہٰذا اسے مصروف رکھنے کے لئے گڑھے مردے اکھاڑتے ہوئے بھٹو صاحب کا کیس دوبارہ کھول دیا ہے تاکہ قوم کو آنے بہانے اس طرف متوجہ رکھا جائے تاکہ وہ زرداری حکومت کے زری کارنامے ملاحظہ نہ فرما سکے او ریوں ڈیڑھ دو سال کا عرصہ گزار کر پانچ سال مکمل کرنے والا پہلا جمہوری صدر کا خطاب ازخود اپنے سر پر سجا لیا جائے بہر حال عدالت کی باتیں عدالت ہی جانے۔ اب اس پر ہم بات کرنے کے مجاز نہیں ہم تو نئے وزیر قانون صاحب کی حق گوئی کو خراج تحسین پیش کرنا چاہ رہے ہیں۔ جن کی اس خوبصورت حقیقت کشائی سے دل خوش ہو گیا ہے۔

نام کا اثر تو شخصیت پر ہوتا ہے نا جیسا کہ ابھی بابر صاحب کی عیش کوشی کی مثال دی تھی اب ان صاحب کی جرأت اظہار! ہو نہ ہو اس میں ان کے نام کو بھی دخل حاصل ہوگا بھلا مولا بخش کو کس کا ڈر خطرہ؟ اس سے تو دوسرے ڈرتے ہیں اور بچپن سے ہی ڈرتے چلے آرہے ہیں۔ سو کیسا دوٹوک جواب دے کر سب وزراء کی گھگھی بندھوا دی ہے۔ سچ ہی تو فرما رہے ہیں کہ دوسرے وزراء کون سے اپنے شعبوں میں ماہر ہوتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ہمارے ہاں وزرات کے لئے متعلقہ شعبے میں کسی مہارت کا ہونا لازمی نہیں سمجھا جاتا البتہ خوشامد کرنے میں ماہر ہونا زیادہ ضروری خوبی مانی جاتی ہے اسی لئے تو وزیر تعلیم اس شخصیت کو بنایا جاتا ہے جو تعلیم سے دور یا چلئے تھوڑا زیر تعلیم ہو اور وزیر خارجہ اسے جو اپنے لوگوں کی بجائے خارجہ عوام و اقوام کے مفادات کا تحفظ کرے اسی طرح وزیر قانون کے لئے وہ صاحب کیسے موزوں قرار پاتے ہیں جو صاحبِ صدر کو قانون توڑنے کے نت نئے راستوں سے آگاہی و رہنمائی دیتے ہیں علی ھذا القیاس..... اسی لئے تو آئے دن کا بینہ ..... ''حسن کارکردگی کی شہکار کابینہ'' میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے

؎ نہ ڈگری ہے پاس اور نہ حکمت ہی
پیارے
بس چلی جارہی ہے خدا کے سہارے

''مارشل لاء کی حمایت پر شریف برادران، زرداری، عمران، اسفند قوم سے معافی مانگیں۔ ضیا دور میں وزیر رہنے پر میں بھی معافی مانگتا ہوں، چاہے پارٹی ٹکٹ نہ دے سچ کہتا رہوں گا: جاوید ہاشمی کا قومی اسمبلی میں خطاب

مقام شکر ہے کہ ہاشمی صاحب نے جماعت اسلامی کو ہمارا مطلب ہے میاں طفیل محمد کو معافی مانگنے کا نہیں کہہ دیا، آجکل تاریخ درست کرنے کا ضبط جو سوار ہے کچھ لوگوں پر کوئی پتہ نہیں جماعت اسلامی کا کیس بھی ری اوپن کر دیں

کہ یہ ضیاء الحق کی بی ٹیم کے طور پر مشہور تھی لہٰذا اس وقت کے امیر جماعت اسلامی قوم سے معافی مانگیں...... یہ معافی کی ٹافی بھی خوب ہے ان دنوں، اس پر ہم بعد میں بات کریں گے پہلے ذرا ''پارلیمنٹ ڈائری'' کے زیرعنوان صالح ظافر کو پڑھیئے

''پارلیمانی آزادیاں اور سیاسی محرومیاں بس اوقات ایسے سیاسی رہنماؤں کو اپنی پارٹی کے لئے پورس کے ہاتھی بنا دیتی ہے جن کی دل جوئی میں کوئی کسر رہ جاتی ہے۔ اس نوع کے رہنما اس وقت شعلہ جوالا بن جاتے ہیں جب انہیں نظر انداز کئے جانے کا احساس جاگزیں ہو جاتا ہے۔ پاکستان میں جمہوریت کا سفر اور سیاسی آزادیوں کی تاریخ مخدود جاوید ہاشمی کا تذکرہ کیلئے ناقص اور نامکمل ہے انہوں نے نواز شریف کی مسلم لیگ کو اس وقت قیادت فراہم کی جب خانوادہ شریف عازم حجاز مقدس ہو گیا۔ فوجی حکمران نے ایک خط کا بہانہ بنا کر جاوید ہاشمی کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا۔ اس پورے عرصے میں ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ جمعرات کو جاوید ہاشمی پھٹ پڑا اس نے جنرل ضیاء الحق کی کابینہ کا سب سے کمسن وزیر بنے رہنے پر معافی مانگ لی اور تقاضا کیا کہ یوم معافی کا اعلان کیا جائے جس پر سیاسی قائدین ماضی کی غلطیوں پر معافی مانگیں وفود جذبات میں وہ اپنی قیادت کو بھی روند گئے جب وہ مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کی تعریف وتوصیف پر اتر آئے تو وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی بھی ایوان میں موجود تھے...... تادیر اس پر مسرور ہوتے رہے حکمران پارٹی کے ارکان نے بے ساختہ ڈیسک بجائے۔ پاکستان مسلم لیگ ن کے ارکان...... قائدِ حزب اختلاف چوہدری نثار علی خان بھی شامل تھے۔ دم بخود رہ کر یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ لگ رہا ہے کہ مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی میں بالآخر قریشی کا ہاشمی سے باہمی ادلا بدلہ ہو جائے گا'' (روزنامہ جنگ: 22 اپریل 2011)

ادلے بدلے کا ہمیں تو پتہ نہیں۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ ہاشمی صاحب جو کبھی ہمارے جاوید ہاشمی بھائی تھے۔ معافی تلافی کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔ یہ جو آج شعلہ جوالا انہیں قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ طرز گفتار، طرز رفتار اور حسن کردار جماعت اسلامی ہی کی بدولت تو ہے۔

طلبہ جامعہ پنجاب یونین کے سابق صدر جاوید ہاشمی صاحب ضیاء الحق کے مرہون منت ہوئے کہ انہیں وزارت سونپ کر ملکی سیاست میں انکی جگہ بنادی۔ الٹا آج برسوں بعد معافی مانگ رہے ہیں...... یہ جماعت اسلامی سے بھی معافی تلافی کر کے ن لیگ میں شامل ہو گئے تھے اب ن لیگ کو معافی مانگنے کی تلقین فرماتے ہوئے بھٹو صاحب کی تعریف میں رطب اللسان ہیں...... بے نظیر بھٹو کو شہید کہتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ چند ہی برسوں کی بات ہے یہ پھر قوم سے معافی کے خواستگار ہوں گے۔

ویسے ایوان میں کھڑے ہو کر ضیاء الحق کو آمر کہہ کر...... اس کے دست و بازو بننے پر معافی کا لفظ ہونٹوں سے کہہ دینا کتنا آسان ہو گیا ہے۔ معافی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس دور کی تمام مراعات......تمام واجبات......تمام تنخواہ والاؤنس سب ملکی خزانے میں واپس جمع کروا دیا جائے......مگر اس کی توفیق

کسے نصیب ہوتی ہے۔

جس بھٹو کو وہ کلمات تحسین سے نواز رہے ہیں وہ بھی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے ہی مسند اقتدار پر جلوہ افروز ہوئے تھے۔ ہاشمی صاحب حب بھٹو ہیں یہ بھی بھول گئے کہ اپنی کتاب تختۂ دار کے سائے تلے ہیں وہ خود رقم طراز ہیں۔

''محترمہ بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں میرے خلاف ساٹھ لاکھ انکم ٹیکس کا مقدمہ بنایا گیا تھا اور ہماری والدہ کے خلاف بھی تقریباً تیس لاکھ واجب الادا ٹھہرائے گئے ''(ص:122) اس قسم کے مقدمات تو بھٹو ادوار حکومت میں ایک عام سی بات ہوا کرتی تھی ان کے عہد ستم کے تو اس دور کے اخبارات گواہ ہیں ہم کیا بتائیں ہاشمی صاحب سب کچھ ہی سقوط ڈھاکہ، الیکشن میں دھاندلی، تنخواہیں اور بے شمار واقعات؟ بھول گئے تعجب ہے..... ہاشمی ہو کر اس طرح کی قلابازیاں انہیں زیب نہیں دیتیں۔

؎ سنتِ آل نبیؐ کون کرے گا پوری
آج جس شہر کو دیکھا وہی کوفہ نکلا

گیلانی صاحب تو مسرور ضرور ہوں گے ان کے قائد کی تعریف و توصیف وہ شخص کر رہا تھا جس کے لئے نعرہ لگا کرتا تھا اک بہادر آدمی۔ ہاشمی، ہاشمی اور جس نے بڑے صبر و ضبط کے ساتھ برسوں نہ صرف جیل کاٹی بلکہ جدہ محل میں فروکش شریف برادران کی پارٹی کو توانا رکھا۔ آج ن لیگ نے ان کی قدر و منزلت نہیں کی تو گرج برس کر بھٹو صاحب کی تعریف پر اتر آئے یہ رویہ کچھ مناسب نہیں لگا۔ ہاشمی صاحب! آپ نے اگر پھر اڈاری مارنی ہے تو ہمارے خیال میں جماعت اسلامی آپ کے لئے بہترین جگہ ہے..... آپ ہی کے ماضی کی یاد ہے اولین محبت ہے آپ کی، محسن ہے۔ ویسے بھی جلد یا دیر ہر کسی کو شام ڈھلے اپنے گھر واپس جانا ہی ہوتا ہے ابھی وقت ہے لوگوں سے معافی مانگنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے توبہ تائب کیجئے اور جاہ و منصب سے بالاتر ہو کر قوم کی صحیح معنوں میں خدمت کر کے اس کی پریشانیاں دور کیجئے۔ سچ کہتا رہوں گا بہت ہی خوبصورت جملہ ہے مگر ایمل کانسی اور سپریم کورٹ پر حملہ کے وقت یہ سچ کیوں نہ بولا گیا؟ خبر میں صرف وزیراعظم گیلانی کے مسرور ہونے کا ذکر ملتا ہے حالانکہ ایوان صدر میں متمکن صدر زرداری صاحب بھی اس ہاشمی بیان کو فرحت بخش بینائی کے لئے ہاشمی سرمہ سمجھ کر آنکھوں میں سلائیاں بھر بھر لگائیں گے اور ساتھ ہی ساتھ بغلیں بجا بجا کر ساتھ ہی ساتھ گنگناتے بھی جائیں گے۔

؎ تعریفی الفاظ جو آپ نے فرمائے
ان سے بندہ ہوا بہت محظوظ
اے ہاشمی! تجھے خدا رکھے
شریف برادران سے محفوظ
ہم بھی ایوان صدر میں بیٹھے ہیں
رکھنا ہمارے 'دانے' کو بھی ملحوظ

آمنہ ساجد

کوئی جوتا نہیں مارے.....

بچپن میں کسی وقت اور آج کل وقت بے وقت لائٹ جانے پر پہلے ہو ہا کا ایک غوغا بلند ہوتا اور پھر اندھیرے میں چراغوں کی روشنی عنقا ہونے پر کوئی ستم ظریف مجمع میں جوتا چلا دیتا، چند لمحے کو سرسراتی ہوا دو چار قدم مزید سرکتی اور پھر ایک دلخراش چیخ بلند ہوتی۔ ساتھ ہی غم و غصے میں لال پیلی آواز بلند ہوتی، ''یہ جوتا کس نے مارا؟'' اخلاقیات اپنی جگہ تاہم اس نازک صورتحال میں کون مائی کا لال اندھیرے کی سلیمانی چادر سے سر نکال کر اپنا ہی اسم گرامی ہوا کے دوش پر ڈال کر اپنی موت کو آواز دیتا؟

لڑکپن میں پہنچے تو شادی بیاہوں میں سالیاں اپنے جیجا جی کا جوتا ہتھیانے اور پھر اس سے اپنی معیشت چمکانے کے ذیل میں رقم نکلوانے کے چکر میں سرگرداں دکھائی دیتیں۔ جب یہ ATM کارڈ کسی ایک کے ہاتھ لگ جاتا تو اس کو جو پر لگتے اس کے تناظر میں ہارنے والیاں پنجے جھاڑ کر کھسیانی آواز میں یوں منہ بسورتیں کہ ''یہ جوتا.....تم نے مارا''

پھر جو قد نکالا تو مسجد کی چار دیواری سے بلند ہوتی ''جوتے، جوتے'' کی صدا نے ہماری توجہ کھینچ لی۔ یہاں کا بھی عجب دستور تھا کہ نماز میں جوتا آگے رکھو تو نماز نہیں ہوتی اور پیچھے رکھ کر نماز پڑھو تو جوتا نہیں ہوتا۔ انجمنِ متاثرین جوتا کی تاریخ پر نظر کی تو معلوم ہوا کہ اس جوتا مار مہم کو جو مقام گجراتیوں نے عطا کیا اس نے اس گری پڑی چیز کو عالمگیر شہرت سے نوازا۔

جوانی میں تو اس پیر کی جوتی کے کیا کیا مناظر آنکھوں میں بسے..... حسد و رقابت سے لبریز مگر لبوں پر سجی کمرشل مسکراہٹ کے ساتھ جب کوئی سہیلی یا ہمسائی ہماری ہائی ہیل پر مرمٹتے ہوئے بے اختیار لب کھولتی، ''واہ! یہ جوتا کہاں سے مارا؟'' تو ایسے میں ہم ایک ادا سے گردن اکڑا کر مزید ہائی ہوتے ہوئے کسی بڑے سے برانڈ نیم کی مشہوری کرتے ہوئے اسے نیچا دکھا دیتے۔

سکول سے نکل کر کالج پہنچے تو چھٹی کے وقت باہر کھڑے بظاہر کسی بہن کا انتظار کرتے اور درحقیقت صنف نازک کے جم غفیر سے آنکھیں ٹھنڈی کرتے منچلے نوجوان کی نگاہیں اگر کسی حسینہ پر زیادہ ہی اٹھ جاتیں تو کچھ دیر میں ہی منظر نامہ یوں بدلتا کہ نامعلوم سمت سے آنے والا ''جوتا میزائل'' اس کو دن میں تارے دکھا جاتا۔ تاہم ایسے نازک موقع پر یکطرفہ فیصلہ صادر کرتے ہوئے اسے عزت پر حملے کی جوابی کارروائی پر محمول کرنا زیادتی ہوگی۔ کیونکہ چشم دیدہ نے بارہا کسی اور ظالم حسینہ کی جانب سے ''نظرانداز'' کرنے کی سزا کے طور پر ایسے جارحانہ اقدامات کا سہارا لیتے دیکھا۔

دہشت گردی کے نام پر سرعام ''مارا ماری'' کرتے ہوئے سابقہ امریکی صدر بش اتنا آگے نکل گئے کہ پھر جوتا ماری نے ہی انھیں واپسی کا راستہ دکھایا۔ سنا ہے کہ عراقی

صحافی نے الوداعی بوسے کے طور پر بش پر جب جوتا چلایا تو عراقیوں کے دلی جذبات کے یوں سرعام اظہار پر بوکھلائے ہوئے صدر تلملا کر محض یہ پوچھ سکے کہ ''یہ جوتا کس نے مارا؟'' صد آفرین ہے ہمارے صدرِ محترم پر جو امریکہ کی اندھی تقلید میں اس قدر آگے نکل گئے کہ اس ڈش کا مزہ چکھنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ مغرب کے جوتے چاٹتے چاٹتے زبان کا ذائقہ ایسا بدلا کہ جوتا بھی پھر وہیں سے کھا کر آئے۔ تاہم یہ ان جوتوں کے علاوہ تھا جو پاکستانی عوام ہر روز بذریعہ SMS صدر صاحب پر بھگو بھگو کر مارتے ہیں اور دلچسپ امر یہ ہے کہ مجال ہے جو پھر کبھی ان کے منہ کا مزہ کرکرا ہو۔

قصہ مختصر یہ کہ عوامی جوتیوں کو ''چٹخنے'' سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ حکمران اور رعایا کے مابین جوتوں میں بٹتی دال کا تصفیہ ہو۔ نیز اغیار کی جوتیاں چاٹنے کی بجائے حکومت وقت عوام کی جوتیاں سیدھی کرے کیونکہ بلاشبہ جوتا ہی جوتے کو کاٹتا ہے۔

☆☆☆

داستانِ عطاو بخشش

ڈاکٹر ثمین ذکا کے قلم سے روحانیت کے امتزاج کے ساتھ چند تحریریں قارئین بتول ملاحظہ کر چکے ہیں۔''داستانِ عطاو بخشش''میں ڈاکٹر صاحبہ نے اپنی زندگی کے حالات وواقعات سادہ اندازِ بیان میں تحریر کئے ہیں جو کئی پہلوؤں سے پڑھنے والوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہو سکتے ہیں۔انہیں قسط وار پیش کیا جا رہا ہے(مدیرہ)

کالج کی زندگی

لاہور کالج میں پری میڈیکل میں داخلہ ہوا۔ ان دنوں بڑی بہن ڈاکٹر تنویر فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں تعلیم حاصل کر رہی تھیں اور انہوں نے برقعہ لینا شروع کر دیا تھا۔مگر دوسری بہن پروین نے پردہ کے خلاف بغاوت کی، والد صاحب سے کالج جانے کی مشکلات بیان کیں اور سائیکل خریدنے کی درخواست کی۔ ہمارے والد صاحب بہت روشن خیال تھے انہوں نے سائیکل منگا دی مگر دادا جان اور والدہ نے سخت مخالفت کی آخر اس بات پر اتفاق رائے ہوا کہ چادر لے کر جائیں گی۔

میرے لیے راستہ ہموار ہو گیا مجھے آسانی سے سائیکل مل گئی ان دنوں لاہور میں ٹریفک بہت کم ہوتی تھی چند ایک کاریں ہوتی تھیں البتہ بسیں بہت چلتی تھیں رکشہ ابھی ایجاد نہ ہوا تھا۔عوام الناس سواری کیلئے ٹانگہ استعمال کرتے تھے۔

کالج میں خاصی محنت کرنی پڑتی تھی اس لیے کھیلوں کیلئے زیادہ وقت نہ ملتا تھا البتہ بیڈمنٹن میں اچھی مہارت حاصل ہو گئی تھی مگر کالج ٹیم میں آنے سے انکار کر دیا کیونکہ میری سہیلیاں یاسمین اور زرینہ بہت پڑھاکو واقع ہوئی تھیں ہم اکٹھے بیٹھ کر لیکچر پہلے سے تیار بھی کیا کرتے تھے۔محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی ایف۔ایس۔سی میں فرسٹ ڈویژن آئی اور فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں داخلہ ہوا تعلیمی وظیفہ ملا جو پورے پانچ سال جاری رہا۔

ان دنوں طارق بھائی جان جو مجھ سے تھوڑے ہی بڑے ہیں نیوی میں چلے گئے تھے۔بہن تنویر نے ڈاکٹر بننے کے بعد پبلک سروس کمیشن کا امتحان پاس کیا اور پنجاب کے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال میں مختلف شہروں میں سروس کرتی رہیں چھوٹا بھائی طاہر ان کے پاس رہتا تھا۔بہن پروین کی ایم۔اے کے بعد شادی ہوگئی وہ کراچی چلی گئیں اس طرح گھر میں بڑا مجھے بنا دیا گیا چھوٹے بہن بھائیوں کے جھگڑوں میں صلح صفائی کراتی ان کی پڑھائی اور کھیل پر بھی نظر رکھتی تھی اور کھانے کے دوران ان کو مفید باتیں بتایا کرتی تھی۔ مجھے والدین کے ساتھ زیادہ وقت گذارنے کا موقع ملا۔

اس زمانہ میں میڈیکل کالج میں طالبات کم ہوتی تھیں۔ پروفیسرز بہت دلچسپی سے پڑھاتی تھیں۔ڈاکٹر پروفیسر بشارت یوسف اناٹومی کی تھیں اور ڈاکٹر روز مدان فزیالوجی کی پروفیسر تھیں۔تیسرا مضمون(Bio chemistry)بائیوکیمسٹری اس زمانہ میں چھوٹا ہوتا تھا اور کلاسیں بھی تھوڑی ہوتی تھیں۔

Anatomy (اناٹمی) کا مضمون بہت پسند تھا کئی مرتبہ ٹیسٹ میں زبانی امتحان میں اول پوزیشن آجاتی تھی۔ یونیورسٹی کے امتحان میں اول آنے کے شوق میں دن رات محنت شروع کر دی خوراک اور نیند کا خیال نہ رکھا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ایک روز شام کے قریب ڈائسیکشین ہال سے باہر نکلے تو ایک سہیلی نے کہا نیچے نئے مردے آئے ہیں دیکھنے جاتے ہیں۔تہہ خانہ کی سیڑھیاں اُترتے 3/4 فرینڈز نے ایک نظر ڈالی اوپر بھاگ گئیں میں نے کالے خان (جو ان دنوں نئے مردوں کے اندر دوائی ڈالتے تھے) کو دیکھا اور سوچا کتنی بہادری ہے اتنے مُردوں میں اکیلا انسان۔ مجھے بہت عجیب محسوس ہونے لگا۔گھر پہنچتے بیہوش ہوگئی۔اگلے دن ہوش آیا تو دماغ کام نہیں

کررہا تھا۔

روحانی علاج سے پہلا واسطہ

والدین کیلئے یہ سخت پریشانی کا وقت تھا۔ والد صاحب نے ڈاکٹر کے مشورہ سے دوائیاں لانے کا ارادہ ظاہر کیا تو والدہ نے منع کر دیا یہ جواب دے کر ''پھر ساری زندگی دوائیوں پر پڑی رہے گی'' انہیں ایک صوفیہ عالمہ کا پتہ تھا جو قرآن اور حدیث سے علاج کر سکتی تھیں۔ان کے مشورہ کے مطابق جو بھی وہ سورتیں/دعائیں بتاتی تھیں والدہ پڑھنے کے بعد مجھے وہی پانی دیتیں اور کھانا بھی میرا الگ بنتا۔ سر میں مالش کیلئے تیل پر بھی وہی سورتیں دم کرتی تھیں۔ بیشک والدہ صاحبہ نے بہت محنت کی.....دو ڈھائی ماہ کے بعد دماغ کھلنا شروع ہوا تھوڑی چیزیں سمجھ آنے لگیں تو مجھے ان باجی جی کے پاس لے کر گئیں تا کہ خود ان سے حسبِ حال دعائیں پوچھو انہوں نے مجھے سورہ فاتحہ کا وظیفہ بتایا۔اول آخر گیارہ مرتبہ درود شریف اور گیارہ مرتبہ سورہ فاتحہ گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص اس سے استخارہ بھی کرتے ہیں اور یہ وظیفہ حاجت کیلئے بھی پڑھا جاتا ہے رات کی نماز کے آخری دو نفل پڑھتے ہوئے استخارہ یا حاجت کی نیت کرتے ہیں۔ میں نے دن میں ایک مرتبہ دعا استخارہ اور رات کو یہ وظیفہ پڑھنا شروع کیا سات دن میں دل مطمئن ہو گیا کہ مجھے ستمبر میں امتحان دینا چاہیے۔ پروفیسر صاحبان سے بات کی تو انہوں نے بھی میرے فیصلہ سے اتفاق کیا۔بچپن میں زبان میں لکنت تھی۔کئی الفاظ زبان ٹھیک ادا نہیں کر سکتی تھی۔اس کے لیے روحانی علاج باجی ہاشمی کے ذریعہ ہوا۔سورہ طٰہٰ کی حضرت موسیٰ والی دعا بتائی۔ رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ ☆ وَیَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ ☆ وَاحۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡ ☆ یَفۡقَہُوۡا قَوۡلِیۡ

ترجمہ:''اے میرے رب سینہ کھول دے۔میرا کام آسان کر دے،اور لکنت دور فرما دے(یا گرہ کھول دے) تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔''

میڈیکل کالج کے باقی سال بخیریت گذر گئے آخری سال میں اچھے نمبر آئے۔سرجری میں پروفیسر سرجن احمد توفیق خان صاحب کے ساتھ ہاؤس جاب شروع کیا وہ اچھے سرجن کے ساتھ ساتھ بہت اعلیٰ خوبیوں کے مالک تھے۔اچھے انسان بننے کی باتیں بھی کام کے دوران کبھی کرتے تھے۔ڈاکٹر اور سٹوڈنٹ کے رشتہ داروں سے بھی اپنے پرائیویٹ کلینک میں فیس نہ لیتے تھے۔

ایک المناک حادثہ

ہاؤس جاب کے دوران ایک ہولناک سا حادثہ دیکھنے میں آیا۔ ایک رات میری اور مرحومہ ڈاکٹر خدیجہ عثمان کی ڈیوٹی تھی تقریباً رات کے نو بجے ایک نوجوان 23/22 سال عمر مردانہ وارڈ میں داخل ہوا ہمیں ایمرجنسی کال آئی فوراً پہنچیں اس کے پیٹ کے وسط میں ایک گہرا زخم تھا جس میں سے بے اندازہ خون رواں تھا جو کسی صورت بند نہیں ہو رہا تھا۔سرجن ڈاکٹر نثار فاطمہ کال پر تھیں وہ جلدی ہی پہنچ گئیں فوری طور پر آپریشن تھیٹر میں پہنچا کر خون کی بوتل لگائی گئی۔ پیٹ کھولنے پر معلوم ہوا پورا پیٹ خون سے بھرا پڑا ہے۔ بہت کوشش کے بعد خون کی بڑی شریان پر کٹ پکڑا گیا اس کی مرمت بھی ہوئی مگر اس دوران نوجوان کی حالت تشویش ناک ہو چکی تھی۔خون مسلسل اس کے اندر تو جا رہا تھا مگر جو ضائع ہوا وہ بہت زیادہ تھا۔گھنٹہ کے اندر اندر اس لڑکے نے دم توڑ دیا۔ یہ پولیس کیس بن گیا تھا۔واقعہ یوں ہوا یہ لڑکا اپنے واقف کار کے ساتھ حجام کی دکان پر بیٹھا تھا جس سے اس لڑکے نے قرضہ لے رکھا تھا اس نے قرضہ واپس کرنے کا مطالبہ کیا یہ لڑکا ٹال مٹول کرنے لگے اس نے طیش میں آکر حجام کی چھوٹی تیز قینچی اٹھا کر سیدھی پیٹ میں مار ڈالی۔ پیٹ کے درمیان میں بڑی رگ پر زخم ہوا یکدم بے اندازہ خون نکلا لڑکا بیہوش ہو گیا اور اسی حالت میں گنگا رام ہسپتال کی ایمرجنسی میں داخل ہوا۔

اس کے فوت ہونے پر قتل کا مقدمہ چلا جس کی گواہی کیلئے مجھے اور ڈاکٹر خدیجہ مرحومہ کو ہائی کورٹ میں پیش ہونا تھا۔چند ماہ بعد جب ہم وہاں پہنچے کورٹ کا ہال لوگوں سے بھرا ہوا۔ بہت سے سرکاری لوگ یونیفارم میں پولیس افسران اور جج حضرات موجود تھے۔اس لمحہ خیال آیا ہمارے رب کی کتنی بڑی مہربانی ہے دو عورتوں کی گواہی ایک آدمی

کے برابر کا قانون بنا دیا۔

ہاؤس جاب کے دوران اتنا کچھ سیکھ لیا دل چاہتا تھا سرجن ہی بن جانا چاہیے۔مگر عملی طور پر ایک خاتون ڈاکٹر کیلئے شادی کو کامیابی سے نبھانا اور اچھا سرجن بننا خاصہ مشکل قسم کا جوڑ ہے۔ بڑی بہن ڈاکٹر تنویر کی شادی کی بات پکی ہوئی 1964ء میں ڈاکٹر نعیم اقبال انگلستان DMRD کرنے گئے ہوئے تھے وہ صوم وصلوٰۃ کے پابند اور حافظ قرآن بھی ہیں۔بہن تنویر نے پردہ اپنے شوق سے کیا تھا۔انہوں نے سفید کوٹ اور سفید نقاب خود ہی ڈیزائن کیا تھا جو کہ بعد میں جمعیت کی ڈاکٹرز نے اپنایا۔

اللہ کی شان بلند ڈاکٹر نعیم اقبال کے اہل خانہ بھی شریعت کے پابند اور غلط قسم کی رسومات کے خلاف تھے۔نہایت دیندار قسم کے مخلص لوگ ہیں۔

ہاؤس جاب کے بعد میری بات بھی پکی ہوگئی۔ڈاکٹر محمد ذکاء الدین بھائی جان طارق کے سکول کے دوست تھے اور ان کی دونوں چھوٹی بہنیں (نسرین اور تحسین) سے میری اور چھوٹی بہن آصفہ کی دوستی تھی۔ یہ انگلستان سے ماہر نفسیات کی ڈگری لینے گئے ہوئے تھے۔ 1966ء میں پہلے بڑی بہن کی شادی ہوئی پھر میری ہوگئی۔2 سال پہلے بھائیجان طارق اور حمیرا بھابھی کی بھی شادی ہوگئی تھی۔

ڈاکٹر ذکاء نے تمام کاغذات مکمل کیے ہوئے تھے۔ برطانیہ کی ایمبیسی میں ایک ہی انٹرویو میں ویزا مل گیا ہم اکٹھے ہی لاہور سے روانہ ہوئے چند دن لندن کی سیر کیلئے بچائے ہوئے تھے۔ان کا گہرا دوست ڈاکٹر اعجاز شفیع اور بیگم ڈاکٹر نیلوفر ان دنوں لندن میں تھے اس لیے انہی کے ہاں رہائش پذیر رہے۔تھوڑے دنوں میں کافی حد تک لندن دیکھ لیا۔

سکاٹ لینڈ پہنچتے ہی ان کی نوکری شروع ہوگئی۔ وڈلی ہسپتال گلاسکو شہر سے چند میل باہر خوبصورت پہاڑیوں کے قریب ایک نفسیاتی ہسپتال تھا۔تھوڑے دن فلیٹ کو سیٹ کرنے کے بعد ڈائریکٹر نے میرا انٹرویو لیا اور ایک عارضی جاب دینے پر راضی ہوگیا ویسے بھی مجھے بچوں کی بیماریوں میں کام کرنا تھا اور قریب کے ایک شہر میں بچوں کے وارڈ میں ہاؤس جاب بک کرالیا تھا۔

ایک سال بعد کچھ چھٹیاں تھیں چند دوستوں کے ساتھ مل کر یورپ کی سیر کو گئے۔ڈاکٹر طاہر سعید ہارون کی نئی گاڑی میں جرمنی تک سفر کیا۔ڈاکٹر ذکاء کی چھوٹی بہن تحسین بھی ان دنوں ہمارے پاس تھیں بعد میں ان کی شادی ڈاکٹر عبدالرزاق قاضی سے ہوئی جو ایڈنبرا سے سرجن بن رہے تھے۔

وقت تیزی سے گذرتا رہا۔اللہ تعالیٰ نے بیٹا اویس عطا کیا وہ ایک سال کا تھا ۱۹۶۹ء میں پاکستان چھٹیوں کیلئے آئے۔

ہمارے مذہبی عقائد ایک سے تھے مگر عملی طور پر میں تو کچھ نمازیں اور تھوڑا قرآن پاک کبھی پڑھ لیتی تھی مگر یہ کہتے تھے جب اللہ تعالیٰ کی سمجھ آئے گی تو تم سے بہتر مسلمان بنوں گا۔

یورپ کی سیریں

1970ء میں سپین فرانس اور سوئٹزرلینڈ (Switzerland) کی سیر کو گئے۔سپین کے شہر غرناطہ اور قرطبہ دیکھ کر پرانے وقتوں کی یادیں آج تک دماغ میں گھومتی ہیں۔الحمراء تو کیا زبردست عمارت ہے مسلمانوں کے فن تعمیر کا جیتا جاگتا نمونہ!اس کی زیارت کے بعد اس عمارت سے نکلنے کو دل نہ کرتا تھا دماغ ماضی کی حسین یادوں میں پورا دن کھویا رہا۔

مادیت کی زندگی میں روحانیت کے کرشمے

خیالات میں تلاطم

1971ء کی گرمیوں کے شروع میں ہی ناروے ڈنمارک اور سویڈن کا پروگرام بنا۔سکاٹ لینڈ سے ناروے بحری جہاز میں جاتے ہیں۔کار بھی ساتھ ہی بک ہو جاتی ہے۔جس طرح کار کو کرین کے ذریعہ جہاز کے سب سے اوپر کے حصہ میں پہنچایا جا رہا تھا۔ بیٹا اویس اس کو ہکا بکا دیکھ رہا تھا۔اس کے بعد ہماری اندر داخل ہونے کی باری آئی۔سونے کے کیبن سب سے نیچے درمیان والے حصہ میں کھانے اور بیٹھنے کی جگہ اور سب سے اوپر گاڑیاں تھیں۔تقریباً سو،سوا سو لوگوں

کو لیے ہوئے یہ تفریحی بحری جہاز 40 گھنٹے میں ناروے پہنچا جو ہماری پہلی منزل تھی۔

(Norway) ناروے کا دارالخلافہ اوسلو بڑا خوبصورت شہر ہے عین شہر کے وسط میں نصف دائرہ کی شکل میں سمندر کے ساتھ عمارتیں بنی ہوئی ہیں جن کے وسط میں ٹاؤن ہال کی عمارت ہے جو کہ سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ باغات بھی قدرت کے نایاب شہکار کا نظارہ عطا کرتے ہیں۔ بڑی ترتیب سے سجے ہوئے ہیں جو مشرقی ممالک کے پھول اور پودے ہیں انہیں بڑے بڑے شیشے کے کمروں میں رکھا ہوا ہے۔

اگلی منزل کوپن ہیگن، ڈنمارک تھی وہاں بچوں کا بہت بڑا ایک پارک ہے۔ ٹیوالی پارک (Tivoli) کے نام سے بڑا مشہور ہے اس کے اندر پورے پارک میں دائرہ کی شکل میں بچوں کیلئے خوبصورت ٹرین چلتی ہے۔ بیٹے نے اس پر بہت مزہ لیا اور چھوٹی قوم کی دلچسپی کی بے شمار کھیلیں اور قسم قسم کے جھولے وغیرہ بھی تھے اس روز اتوار کی چھٹی تھی اس لیے بے شمار بچے اپنے والدین کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ شام کے قریب تھک کر ہوٹل کے کمرے میں پہنچے۔

اسی ہوٹل کے پیچھے ایک بہت بڑا ہال تھا جس کے باہر پوسٹر لگے تھے ''اندر آئیں اور اپنی پریشانیاں بھول جائیں۔'' انہیں شوق آیا کہ اندر جا کر دیکھنا چاہیے کیا ہو رہا ہے؟ میں تو بیٹے کے ساتھ کمرہ میں رہی اس کے کھانے کا وقت ہو رہا تھا۔

ابھی بمشکل آدھا گھنٹہ بھی نہ گذرا ہو گا کہ یہ واپس آ گئے۔ خاموشی سے بستر پر لیٹ کر سگار پینے لگے اور چھت کو گھورتے رہے۔ میرے استفسار پر کوئی جواب نہیں دیا۔ میں بچے سے باتیں کرنے لگی تھوڑی دیر بعد خود ہی بولے ''یہاں تو انسان درندوں سے بھی بدتر ہو چکا ہے۔'' پھر خاموش۔

اگلی بات یہ کی ''اندر کیا جانا تھا جب گیٹ کے ملازم نے ٹکٹ کی رقم مانگی تو پوچھا ''اندر کیا ہو رہا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا ''برہنہ ڈانس! آدمی عورتیں سب اپنے کپڑے لٹکا دیتے ہیں۔ اندر کوئی لباس اپنے اوپر نہیں رکھ سکتا''۔ ''بس یہ سنتے ہی الٹے پاؤں آ گیا ہوں'' معلوم نہیں یہ رات کو سوئے یا نہیں۔ صبح کو پہلی بات ہی ناشتہ کے دوران یہ کہی ''دل چاہتا ہے ابھی واپس چلیں معلوم کرنا چاہتا ہوں انسان کی زندگی کا مقصد ہے کیا؟''

لیکن اگلے دو دن سٹاک ہام، سویڈن میں گذارنے ہی تھے کیونکہ واپسی اسی شہر سے تھی اس جگہ بڑی مشکل سے دو دن گذرے یہ تو ہوٹل کے کمرہ سے باہر نہ نکلتے تھے کچھ اخبار رسالے وغیرہ سرسری سے دیکھ کر بستر پر لیٹے رہتے یا کمرے میں سگار کے کش لگاتے رہتے۔ مجھے بچے کو مصروف رکھنا دشوار ہو گیا قریب ایک بچوں کا پارک تھا دن میں دو تین مرتبہ وہیں لے جاتی۔

جب واپس اپنے ٹھکانے پر آئے تو اسلام پر کتابیں لندن کی اسلامک بک شاپ سے منگوانی شروع کر دیں۔ اس واقعہ سے کچھ ماہ پیشتر گلاسکو میں مقیم دو پاکستانی نوجوان اختر سعید بھٹہ اور محمد اعظم نے ان کے لیے Impact رسالہ لگا کر دیا تھا جو کہ انگریزی میں تمام اسلامی دنیا کی خبریں دلچسپ انداز میں شائع کرتا تھا اس کے ایڈیٹر فاروقی صاحب سے فون پر رابطہ کرنے لگے اور ان سے اسلام کی بنیادی تعلیمات کی کتابیں اُردو اور انگلش میں منگواتے رہے۔ رات دیر تک مطالعہ جاری رہتا۔ اگست 1971ء کی ایک رات دیر تک ہسپتال کے بڑے باغ میں سیر کرتے رہے اور دل ہی دل میں اللہ سے التجا کرتے رہے کہ اپنا پتہ مجھے بتا۔ اسی رات گھر آ کر الماری سے تفہیم القرآن کی پہلی جلد نکالی (ایک پشاور کے ڈاکٹر واپس جاتے ہوئے مجھے دے گئے تھے) جب اس کو کھولا تو سامنے آیت الکرسی کے الفاظ تھے۔ یکدم دل میں اُترے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف بتا دیا ہے یہ وہ لمحہ تھا کہ روشنی دل میں اُتری۔ شروع سے قرآنِ پاک پڑھا تو معلوم ہوا مسلمان بننے کیلئے پہلا حکم نماز ادا کرنا ہے۔ فوراً تمام سوٹ ڈرائی کلین کرائے کیونکہ ظہر کی نماز کا وقت کام کے دوران آ جاتا تھا۔

راہِ حق کی طرف راہنمائی

اپنا یہ حال تھا کہ اب اویس کی چھوٹی بہن عائشہ بھی اس دنیا میں آ چکی تھی۔ بچوں سے ہٹ کر دماغ کچھ اور سوچنے کیلئے تیار ہی نہ تھا

اور بچوں کے باپ کا یہ حال تھا کہ ٹی وی پر صرف خبریں سنتے یا بچوں کے پروگرام کے وقت ٹی وی لگتا تھا۔ کبھی کوئی اچھی Documentary ہوتی تو مجھے بھی دیکھنے کو کہتے۔

انہی دنوں میری ایک کالج کی سہیلی مرحومہ ڈاکٹر شفقت ملک ہمارے پاس چند روز کو آئی وہ ماہر بیہوشی تھیں اور شہر کے دوسری طرف لاء ہسپتال میں اس کا جاب بک ہو چکا تھا۔ وہ دو سال پیشتر بھی ہمارے ہاں آئی تھیں تو ڈاکٹر ذکاء سے سیاست پر خوب باتیں کرتی تھیں۔

اب جو تبدیلی دیکھی تو حیران رہ گئیں۔ ایک روز مجھ سے کہنے لگیں ''یہ تو یکدم پورے ہی مولوی بن گئے ہیں اب تم کیا کرو گی؟'' میں تو خاموش ہی تھی ان دنوں اسی ہسپتال میں پارٹ ٹائم جاب کر رہی تھی۔ صبح کے چند گھنٹوں کیلئے عائشہ کیلئے ایک بہت اچھی آیا آتی تھی کیونکہ مستقل آیا ولیا مینا پال (Willia mina paul) صبح کو صفائیاں وغیرہ کرتی تھی۔ شفقت کے اکثر الفاظ ہوتے تھے ''تُو تو شہزادیوں کی طرح رہتی ہے۔''

اسی سال (1971) کے آخر میں مشرقی پاکستان کی جنگ ہوئی۔ شدید صدمہ پہنچا۔ ان دنوں طارق بھائی جان کا بحری جہاز کراچی کے باہر اپنی سمندری حدود کی حفاظت کر رہا تھا۔ پریشانی مزید بڑھ گئی۔ پھر بذریعہ تار اُن کی خیریت کی اطلاع مل گئی۔

حج کا پروگرام

1972ء میں شروع جنوری کا حج تھا اللہ کی مہربانی سے ذکاء صاحب نے چند ہفتے پیشتر ہی بھائی اشفاق سے رابطہ کیا۔ میری بچپن کی سہیلی ڈاکٹر یاسمین اور اس کے شوہر بھائی اشفاق عرصہ دراز سے جدہ میں مقیم ہیں دو ڈھائی سال پہلے وہ چند روز کو سکاٹ لینڈ آئے تھے اور ہمیں حج کی دعوت دے گئے تھے۔ وہ تو کتنی ہی مرتبہ حج کر چکے تھے ہم نے صرف ٹکٹ کی رقم خرچی باقی تمام انتظامات ان لوگوں نے کیے۔ معلّم کی ہمیں ضرورت ہی نہ تھی ان کے بچے بھی ساتھ تھے ہمارے ساتھ بیٹا تھا بیٹی اس کی پھوپھو تحسین اور ڈاکٹر قاضی صاحب کے پاس چھوڑی تھی وہ ابھی چند ماہ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس قدر اچھا حج ہوا کہ اس کی مٹھاس ابھی تک قائم ہے۔ مگر مدینہ منورہ جاتے ہی مجھے اور بیٹے کو بخار ہو گیا۔ جتنے دن رہے میں مسجد نبوی نہ جا سکی بمشکل کمرہ میں نماز ادا کرتی تھی جس کا مجھے ہمیشہ دُکھ رہا۔ مگر یہی اللہ کی رضا تھی۔ واپس جدّہ آئے تو بیٹا ٹھیک نہیں ہو رہا تھا اسی رات ہماری فلائیٹ تھی راستہ بھر یہ میری گود میں غنودگی کی حالت میں رہا بلکہ جہاز کے عملہ نے ایمبولینس منگوانے کی پیشکش کی ہم نے انکار کر دیا کہ ہمارا اپنا فیملی ڈاکٹر کافی ماہر تھا۔ رات بارہ بجے گھر پہنچ کر اس کو فون کیا ڈاکٹر ہال (Hall) اسی وقت آئے بلکہ وہ کچھ ضروری دوائیاں ساتھ بھی لائے بھاپ دینے کو کہا۔ اللہ کا شکر ادا کیا اگلے روز اس کی طبیعت بہتر ہونے لگی۔ (جاری ہے)

میری لائبریری سے

کتاب: شہید المحر اب عمر بن خطابؓ
مصنف: عمر تلمسانی (ترجمہ حافظ محمد ادریس)
پبلشر: البدر پبلی کیشنز۔ لاہور

بہت کم نام اور بہت کم شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو معیار اور کردار کے اعلیٰ نمونہ پر ہوں ۔ ان کے کردار اور اعلیٰ اوصاف کی انسان تو گواہی دے سکتا ہے لیکن بھلا وہ کونسی ہستی ہے جس کے دل کی سوچوں اور دماغ کے خیالات کو اللہ تاابد حکم کا درجہ دے کر قرآن میں محفوظ کر دے اور اس کی آواز اور خواہش اللہ کا حکم بن جائے ......!!

عمر بن خطابؓ وہی ہستی ہیں...... جس کے لئے نبی اکرمؐ نے فرمایا ''میرے بعد کوئی نبی نہیں اور اگر ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔''

شہید المحر اب عمر بن خطابؓ، اخوان المسلمین کے عمر تلمسانی کی تصنیف ہے یہ روائتی تاریخ کی کتاب نہیں بلکہ تحریک ہے!! مصنف اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں یا اللہ جس کام کے لئے ہمتباندھ رہا ہوں اسے تو خالصتاً اپنی ذات کے لئے قبول فرما لے ۔ پہلے میں نے ارادہ کیا کہ ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں لکھوں پھر مجھے عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول یاد آیا '' قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کو دائیں ہاتھ میں اعمالنامہ دیا جائے گا وہ عمر بن خطابؓ ہوں گے اور ان کا چہرہ یوں چمک رہا ہوگا جیسے سورج کی شعاعیں جب عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا گیا '' اے رسولؐ اللہ کے چچا زاد بھائی! ابو بکرؓ اس وقت کہاں ہوں گے!'' تو انہوں نے فرمایا '' ان کے بارے میں کیا پوچھتے ہو وہ تو ایسا خوش قسمت انسان ہے جسے فرشتے بغیر حساب کے جنت میں لے جا چکے ہوں گے۔''

کتاب کی تصنیف میں ایک اور چیز مددگار ثابت ہوئی اور وہ اس کتاب کی تصنیف کے لئے مصنف کا اپنے رب سے استخارہ مصنف، لکھتے ہیں'' اللہ نے میری رہنمائی کی عمرؓ پر لکھوں مگر مورخ کے قلم سے نہیں طالب علم کے قلم سے۔

کتاب کو آپ مجموعی طور پر سیرت عمر فاروقؓ کا گلدستہ کہہ سکتے ہیں ایسا گلدستہ جس کی خوشبو جس کی سیرت کا مطالعہ جذبات میں نیا ولولہ پیدا کرتا ہے۔ یہ انسان کتنا عظیم تھا دل کی بہادری اور طبیعت کی سختی کے ساتھ رقت قلب اور رحمدلی بھی انتہا درجے کی کیا حسین امتزاج تھا۔موجودہ صورت حال میں (کتاب کم ازکم تئیس سال پہلے کی ہے) سیرت عمرؓ کے مطالعہ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس دور میں سیرت فاروقی اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔

نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا عمرؓ کی رضا مندی اللہ کی رحمت ہے۔ ایک دفعہ ابو بکرؓ اور عمرؓ کو آتا دیکھ کر آپؐ نے

ارشادفرمایا یہ دونوں میرے سمع و بصر ہیں (ترمذی)۔

عمر تلمسانی دیباچہ کے اختتام پر لکھتے ہیں وہ بہترین نمونہ اور تربیت کی اعلیٰ مثال تھے انسانوں میں سے ایک انسان تھے نہ رسول نہ نبی نہ فرشتے ان پر اللہ کا احسان عظیم یہ تھا کہ وہ آپؐ کی دعا کی قبولیت اور اعلیٰ ترین صفات سے متصف تھے۔عمرؓ کی شخصیت اور مقام اتنا بلند ہے کہ آپ مجرد عمرؓ کہیں تب بھی کوئی شخص ابہام کا شکار نہ ہوگا۔

زمانہ جاہلیت میں بھی عمرؓ اپنی جوانمردی عالی ہمتی، پرکشش شخصیت اور اوصاف حمیدہ کی وجہ سے پورے معاشرہ میں نمایاں تھے۔ان پر رسولؐ اکرم کا یہ قول منطبق ہوتا ہے'' تم میں سے جو جاہلیت میں اگلی صفوں میں ہوتے ہیں وہ اسلام میں بھی اگلی صفوں میں ہوں گے۔''

اسلام قبول کرنے سے قبل دبنگ شخصیت کے مالک تھے بعد میں بھی ان کی یہ شان قائم رہی مگر قبول اسلام نے ان کے اندر انکساری اور تواضع پیدا کر دی تھی۔آپ کی مردانگی اور رعب کا یہ عالم تھا کہ ہجرت کا سفر بھی چھپ کر نہیں کیا تھا بلکہ اسکا اعلان فرمایا۔

آپؓ مکہ کی بلند پہاڑی پر چڑھ گئے اور قریش کے سرداروں کو چیلنج کرتے ہوئے کہا ''عمر مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کر رہا ہے جو اپنی ماں کو رلانا چاہے، بیوی کو بیوہ کرنا چاہے اور بچوں کو یتیم کروانا چاہے وہ اس وادی میں مجھ سے مڈبھیڑ کرے۔''

سیدنا عمرؓ لمبے تڑنگے، مضبوط جسم کے مالک تھے اور آپ کے سر کے سامنے حصے کے بال جھڑ چکے تھے رنگ گورا چٹا تھا رخسار اندر کو پچک گئے تھے لوگوں کے درمیان چلتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے کسی سواری پر سوار ہیں۔تجارت پیشہ تھا لیکن ریشم کے پارچہ جات کا کاروبار کرتے ویسے یہ بات قابل تعجب ہے کہ عمرؓ شروع ہی سے صاحب شمشیر وسناں تھے اور شمشیر کا استعمال شدت اور سختی کا متقاضی ہے جبکہ ریشم اپنی نرمی کے لئے ضرب المثل ہے۔

کتاب میں حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ اپنی جُزئیات کے ساتھ درج ہے چونکہ قارئین اس واقعہ سے بخوبی آگاہ ہیں لہٰذا اس کی تفصیلات کے بارے میں جاننے کی بجائے کچھ احادیث سے آگاہ ہوتے ہیں، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے آپؐ سے عمرہ پر جانے کی اجازت طلب کی آپؐ نے اجازت دیتے ہوئے فرمایا ''اے میرے پیارے بھائی! اپنی نیک دعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھنا۔''

ایک دفعہ انعامات الٰہی کا تذکرہ کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا۔

''حمد و تعریف اس اللہ کے لئے جس نے آپ دونوں سے میری تائید کی۔'' حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا کہ میرے سامنے کچھ لوگوں کو لایا گیا لوگوں نے جو قمیض پہن رکھے تھے وہ بہت چھوٹے تھے کسی کا قمیض سینے تک تھا تو کسی کا اس سے بھی چھوٹا پھر عمرؓ کا گذر ہوا اس نے جو قمیض زیب تن کر رکھی تھی اس کی لمبائی اسقدر زیادہ تھی کہ وہ زمین پر گھسٹ رہا تھا لوگوں نے پوچھا یا رسولؐ اللہ آپ کے نزدیک اس خواب کی کیا تعبیر ہے؟ آپؐ نے جواب دیا ''دین''

ایک دفعہ آپؐ نے جنت کا تذکرہ فرمایا تو اس حوالے سے حضرت عمرؓ کے جنت میں اعلیٰ مقام اور بلند درجات کی خوشخبری سنائی۔

ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں ایک کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھا ہوں کنوئیں پر ایک ڈول تھا اللہ کی توفیق سے میں نے پانی کے کچھ ڈول کھینچے پھر ابن ابی قحافہ (ابوبکر صدیقؓ) نے وہ ڈول لے لیا اور ایک یا دو ڈول نکالے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے اس کے ڈول کھینچنے میں کچھ ضعف محسوس ہوا پھر اس ڈول کو عمرؓ نے لے لیا اور میں نے لوگوں کے درمیان کوئی ایسا عبقری نہ دیکھا جو عمرؓ کی طرح ڈول کھینچ سکتا۔ اس نے اتنا پانی نکالا کہ لوگوں کے اونٹ اور جانور خوب سیر ہو گئے اور اونٹ اطمینان سے بیٹھ گئے (کوئی پیاسا نہ رہا)

اس سے مراد خلافت راشدہ ہے حضرت ابوبکرؓ کے دور میں بہت سے فتنے اٹھے اسلام بظاہر بہت کمزور نظر آنے لگا حضرت ابوبکرؓ نے ہر فتنے کو کچلا مگر ان کا دور خلافت مختصر رہا پھر حضرت عمرؓ کا دور آیا جو اسلام کی قوت اور عظمت کا سنہری زمانہ اور کامیابیوں کا مرقع تھا۔

حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ''اے عمرؓ جس راستے پر تم جا رہے ہوتے ہو اگر شیطان اس راستے پر آ رہا ہو تو وہ تمہارے خوف سے راستہ چھوڑ دیتا ہے۔''

آپؐ کا ایک اور ارشاد بھی پڑھ لیجئے۔

''بے شک عمرؓ کی یہ شان ہے کہ اس نے جب سے اسلام قبول کیا ہے شیطان جب بھی اس کے سامنے آیا منہ کے بل گر پڑا۔

مصنف نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے آخری مرض اور حضرت عمرؓ کی نامزدگی کا منظر بہت دلسوزی کے ساتھ پیش کیا۔ مجمع سے تائید چاہی تو حضرت علیؓ نے فرمایا۔

''ہم راضی ہیں بشرطیکہ آپ نے عمرؓ کے حق میں فیصلہ کیا ہو۔''

حضرت عمرؓ کی شہادت پر حضرت علیؓ کا اظہار تعزیت

''جانے والے مسافر تو نے اپنے پیچھے دنیا میں کوئی شخص نہیں چھوڑا جس کے بارے میں میں رشک کروں کہ اس جیسے اعمال کے ساتھ میں اپنے رب کے دربار پر حاضری دوں۔ آپ کے اعمال کو دیکھ کر میں نے ہمیشہ تمنا کی کہ کاش ایسے اعمال مجھے نصیب ہو جائیں۔''

قارئین کتاب کے پچاس سے زائد صفحات میں کچھ مزید صحابہؓ کرام کے خوابوں کے تذکرے ہیں جو حضرت عمرؓ کی عظمت و جلالت کو ظاہر کرتے ہیں کچھ مزید صفحات کا تذکرہ ہے۔ مصنف لکھتے ہیں ''جو کچھ ان کے دل میں ہوتا اس کے اظہار میں آپ لاگ لپٹ کے قائل نہ تھے۔ ایک دفعہ سفر میں حضرت عمرؓ نے آپؐ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا عرض کیا، یا رسول اللہؐ خدا کی قسم آپؐ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔'' یہ سن کر حضورؐ نے ارشاد فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والدین اولاد یہاں تک کہ اس کی اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' حضرت عمرؓ فاروق نے

عرض کی یارسولؐ اللہ اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

آپؐ نے فرمایا ''الان عمر'' (عمر اب بات بنی ہے)

ذرا سوچئے اس جرأت اظہار نے امت مسلمہ کو کس قدر فائدہ پہنچایا اور اگر یہ بات آپؐ کے سامنے نہ کہتے تو بہت سے لوگوں سے یہ حقیقت مخفی رہ جاتی کہ آنحضورؐ کی محبت کس درجے اور شان کی ہونی چاہیے۔ جو اللہ کیمشیت کے سائے میں زندگی گذارے وہ کبھی بدبختی کا شکار نہیں ہوتا اسے خیر کی توفیق ملتی ہے اور شر سے بچالیا جاتا ہے حضرت عمرؓ کی زندگی خشیت کا بہترین نمونہ تھی اللہ نے انہیں ان کی خشیت کی بہترین جزء عطا فرمائی ان کی زبان مبارک پر آنے والی باتیں وحی بن کر نازل ہو جاتیں ..... اتفاقاً کوئی بات پوری ہو جائے تو ہم کتنا خوش ہوتے ہیں مگر کمال یہ ہے کہ عمر بن خطابؓ کی عظمت کا کہ بار بار وحی آسمانی نے ان کی رائے کی تائید کی مگر ہر مرتبہ ان کے انکسار میں اضافہ ہوتا گیا۔

قرآن کی تلاوت کے دوران آپ کے جسم کا رواں رواں محو ہو جاتا ایک شب مدینہ کی گلیوں میں گھوم رہے تھے ایک گھر کے پاس سے گذرے، صاحب خانہ بلند آواز میں تلاوت کر رہے تھے حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر سننے لگے صاحب خانہ نے سورہ طور کی تلاوت کی جب وہ ان آیات پر پہنچے'' بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا اسے کوئی نہ ٹال سکے گا.....'' تو آپ کے دل کی کیفیت بہت عجیب ہوگئی، فرمایا'' رب کعبہ کی قسم یہ سچ ہے'' پھر سواری سے اترے اور دیوار سے ٹیک لگالی اسی دوران آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی بعد میں آپ کو اٹھا کر گھر لایا گیا اور مہینہ بھر صاحب فراش رہے لوگ عیادت کے لئے آتے مگر کسی کو معلوم نہ تھا کہ بیماری کیا ہے۔ مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کی تجویز انہوں نے ہی پیش کی جسے رب نے شرف قبولیت عطا کیا۔ حضرت عمرؓ میں غیرت اس قدر تھی کہ لوگ نبی اکرمؐ کے دروازے پر وقت بے وقت جمع ہوتے، آپؐ شرم وحیا سے کچھ نہ کہتے تو انہوں نے کہا۔

''یارسولؐ اللہ آپ کے گھر میں نیک و بد ہر طرح کے لوگ آتے ہیں آپؐ اپنی بیویوں کو پردے کا حکم دے دیں۔'' پردے کی قرآنی آیات اسی فرمائش کی تکمیل ہیں۔

منافق کی نماز جنازہ اور مغفرت کی دعا پر نبی اکرمؐ کے یہ الفاظ'' خدا نے مجھے اختیار دیا ہے کہ ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگوں یا نہ مانگوں پر عمرؓ فاروق کا یہ عرض کرنا'' یہ تو پکا منافق ہے'' اللہ کے حکم'' آئندہ ان میں سے کوئی مرے اس کی نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھنا نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا'' کے نزول کا باعث بنا۔

حرمتِ شراب بھی عمر فاروقؓ کی دلی خواہش تھی۔

ازواج مطہرات کا رسولؐ اللہ سے اختلاف اور عمر فاروقؓ کا ارشاد'' آپ آداب رسالت کا حق ادا کریں اگر ایسا نہ کیا تو اللہ آپ کو اس کی سزا دے گا اور نبیؐ کو آپ سے بہتر بیویاں عطا کرے گا۔'' ازدواج مطہرات کے کس قدر اشتعال کا باعث بنا! انہوں نے عمر فاروقؓ سے کہا۔

''اے عمرؓ! تم نبی اکرمؐ کے گھریلو معاملات میں دخل اندازی کرتے ہو جو نصیحت رسولؐ اللہ نے خود نہیں کی تم یہ کام

کرنے چلے ہو؟''

پھر سورہ تحریم کی آیت'' نبی اکرم تم سب بیویوں کو طلاق دے دیں تو اللہ انہیں ایسی بیویاں تمہارے بدلے میں عطا کرے گا جو تم سے بہتر ہوں گی۔'' نازل ہوئی۔

اسیران بدر کے بارے میں عمرؓ فاروق کی رائے اور خدا کی تنبیہہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔

چودہ صدیاں قبل عمرؓ فاروق نے صالح معاشرہ کے لئے بنیادی اصول وضع کر دیئے تھے حکمران کے حقوق بھی ہوتے ہیں اور فرائض بھی، اس طرح رعایا کے حقوق بھی ہوتے ہیں اور فرائض بھی..... جبکہ تنظیم خیر خواہی اور اطاعت کے ستونوں پر قائم ہوتی ہے حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ:

''اطاعت ہوگی تو جماعت قائم رہے گی اطاعت کے بغیر جماعت قائم نہ رہ سکے گی۔''

ان کا ذہن وسیع اور نگاہ دوررس تھی۔ انہوں نے امت کو حکمرانوں کے حقوق بتانے کے ساتھ امت کے حقوق بھی واضح کئے۔

آپ نے فرمایا ''جس کسی پر کوئی امیر یا گورنر کوئی زیادتی کرے مجھے اس کی اطلاع دے دے میں اس کا بدلہ دلواؤں گا۔ یہ سن کر مصر کے گورنر عمرو بن العاص کھڑے ہوئے اور کہا ''امیر المومنین یہ تو عجیب حالت ہو جائے گی ہم میں سے کوئی اگر تادیب کیلئے اپنی رعایا کے کسی فرد کو کچھ کہہ سن لے تو آپ اس سے بھی بدلہ دلوائیں گے؟''

حضرت عمرؓ نے فرمایا'' کیوں نہیں میں نے تو خود رسولؐ اللہ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی ذات کو لوگوں کے سامنے بدلے اور انتقام کے لئے پیش کرتے تھے۔'' مشہور بزرگ مالک بن دینار کہا کرتے تھے کسی شخص پر اللہ کا اس سے بڑا عذاب نہیں ہوسکتا کہ وہ اسے سنگدل بنا دے اور کسی قوم پر اللہ کا اس سے بڑا غضب نازل نہیں ہوسکتا کہ ان کے دلوں سے اللہ رحم نکال لے۔

لوگوں سے سادگی و قناعت کے مطالبہ کرنے والا خود اس کی بہترین مثال تھا ان کے دور حکومت میں قحط اور قحط زدہ افراد کے حالات سب کے احاطہ علم میں ہیں۔ قحط کا یہ زمانہ پانچ چھ سال تک پھیلا ہوا تھا۔ اس پورے دور میں آپ نے زندگی کی ہر پُر لطف چیز کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ قحط کے زمانہ میں ایک دفعہ اپنے بیٹے کے ہاتھ میں خربوزہ دیکھا تو تنبیہہ کی'' اے امیر المومنین کے بیٹے! یہ کیا کر رہے ہو امت محمد یہ بھوکی مر رہی ہے اور تم پھل کھاتے ہو؟ لڑکا روتا ہوا ماں کی جانب بھاگا، حضرت عمرؓ کو اس وقت تک اطمینان نہ ہوا جب تک انہیں بتا نہ دیا گیا کہ یہ خربوزہ بیت المال سے نہیں لیا بلکہ بچے کی ماں نے اپنی جیب سے خرید کر دیا ہے۔

سادگی اور زہد کا یہ حال تھا کہ اپنے دور خلافت میں حج کے لئے نکلے اور کوئی خیمہ نہیں لگایا۔ دھوپ سے بچنے کے لئے کسی جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ جاتے۔ چمڑے کا چھوٹا سا ٹکرا تھا کبھی اس کا سایہ کر لیتے وہ جانتے تھے کہ بیدار مغز حاکم کو جو ہر قابل تلاش کرنا چاہیے اور باصلاحیت لوگوں کو ذمہ داریاں تفویض کرنی چاہیں۔ اپنی شوریٰ منتخب کرنے میں ہمیشہ یہی اصول سامنے رکھتے ان لوگوں کی قدر افزائی کرتے اور کہتے'' اگر علیؓ نہ ہوتا تو قریب تھا کہ عمر ہلاک

ہو جاتے ۔'' کبھی کہتے '' ہم میں سب سے بہترین فیصلہ کرنے والے علی ہیں ۔''

حکومت کو مثالی انداز میں چلانے کے لئے پوری دنیا آج عمرؓ فاروق کے دیئے نظام پر کام کر رہی ہے ۔ کام کے اوقات کار مقرر کرنا...... مناصب کی تفویض میں متعلقہ شخص کی صلاحیتوں کی جانچ پرکھ...... میں اگر یہ کہوں دنیا میں گمنام سپاہی کا جو تصور پایا جاتا ہے اس کی بنیادی فکر عمرؓ فاروق نے دی تھی اس میں مبالغہ نہ ہوگا ۔

حاجیوں کے ساتھ حضرت عمرؓ بہت محبت کرتے تھے ان کے آرام کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ نے اہل مکہ کو حکم دے دیا تھا کہ وہ موسم حج میں اپنے دروازے بند نہ کیا کریں انسانوں کی قدر و قیمت کا تعین کرنے کے لئے ہر شخص کے پاس اپنے پیمانے ہوتے ہیں عمرؓ کے نزدیک پیمانہ صرف یہ تھا کہ اس شخص نے امت مسلمہ کے لئے کیا خدمات پیش کی ہیں ۔ ان کی مجلس میں ایک دفعہ عمرو بن طفیل حاضر ہوئے کھانے کا وقت ہوا تو دسترخوان بچھ گیا عمرو بن طفیل ایک جانب ہو کر بیٹھ گئے ۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو پوچھا آپ الگ بیٹھے ہیں کیا ہاتھ نہیں ہے! انہوں نے کہا '' ہاں '' ...... عمرؓ فاروق نے جواب دیا '' خدا کی قسم میں اس وقت تک کھانا نہیں چکھوں گا جب تک تم اپنے ہاتھ سے اس دسترخوان کو تہ و بالا نہ کر دو ۔ حاضرین میں سے تمہارے سوا کوئی ایسا نہیں جس کے جسم کا کوئی حصہ جنت میں جا پہنچا ہو ۔

حضرت عمرؓ خشیت الٰہی کی زندہ تفسیر تھے ۔ اسی بدولت اللہ نے انہیں مومنا فراست عطا کی جو انہیں کبھی ناکام نہ ہونے دیتی وہ نور خداوندی سے دیکھتے تھے ...... لوگوں کے چہرے سرخ ہونے سے قبل ان کے مسائل حل کر دیتے تھے ۔ حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا '' اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو لوگوں کی حقیقت کو اپنی فراست سے پا جاتے ہیں ۔'' ایک دفعہ آپ نے حذیفہ بن یمان سے پوچھا کیا میرے عمال میں کوئی منافق ہے ۔ چونکہ حضرت حذیفہ کو نبی اکرمؐ نے منافقین کے نام بتائے تھے لہٰذا وہ جانتے تھے ۔ حضرت حذیفہ نے جواب دیا ہاں ایک ہے پوچھا کون ہے تو انہوں نے جواب دیا ۔ میں اسکا نام ہرگز نہ لوں گا ۔'' حضرت حذیفہ کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے اس عامل کو معزول کر دیا گویا اپنی فراست سے اس کی منافق کی علامات کو پا لیا ۔ حدیث مبارکہ ہے '' مومن کی فراست سے بچا کرو بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے ۔'' عمرؓ فاروق کا گھر ہر شخص کے لئے جائے قرار تھا حاجت مندوں کی مدد کی جاتی ۔ جب حقداروں کو ان کا حق نہ ملے ، با اثر لوگوں کو ترجیح دی جانے لگے تو فساد پھیل جانا فطری امر ہے ۔

ایک دفعہ کچھ لوگ عمرؓ بن خطاب کے دروازے پر آئے ان میں اصحاب بدر بھی تھے اور شیوخ قریش بھی ، ان لوگوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی اصحاب بدر میں سے صہیبؓ ، خبابؓ ، عمارؓ ، بلالؓ کو اندر آنے کی اجازت مل گئی جبکہ ابوسفیان ، حارث بن ہشام ، سہیل بن عمرو کو باہر کھڑے ہو کر انتظار کرنا پڑا ۔ یہ سب بزرگ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے اس صورت حال کو دیکھ کر ابوسفیان نے کہا آج کے دن سے زیادہ میں نے اپنی بے قدری کہیں نہیں دیکھی ۔

روسائے قریش باہر بیٹھے ہیں غلاموں کو اندر بلا لیا گیا ہے۔ یہ سن کر سہیل بن عمرو نے کہا ''اے سرداران قریش! میں نے تمہارے چہروں پر ناراضی کے آثار دیکھ لئے ہیں اگر غصہ کرنا ہے تو اپنے آپ پر کرو سارے لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی گئی تھی اور تمہیں بھی مخاطب کیا گیا تھا وہ لوگ جلدی سے آگے بڑھے اور تم پیچھے رہ گئے تمہیں اس دروازے سے ان کا پہلے گزرنا ناگوار گزر رہا ہے خدا کی قسم یہ تو کوئی بات نہیں وہ لوگ اپنے درجات کی بلندی میں اتنا آگے بڑھ گئے ہیں کہ تمہیں اس کا احساس ہو تو کف افسوس ملتے رہ جاؤ۔

حضرت عمرؓ رعایا کے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں دلچسپی رکھتے تھے۔ وقت کے صحیح استعمال کی تلقین کبھی پیار محبت سے اور کبھی درہ لہرا کر کرتے۔ آپ کا حکم تھا کہ لوگ رات کو جلد سو جائیں تا کہ صبح نماز تہجد کے لئے اٹھ سکیں لوگ اپنے ازدواجی معاملات میں صلاح مشورہ بھی امیر المومنین سے کرتے۔ ایک عورت نے اپنے خاوند سے سرکشی کا معاملہ کیا وہ عورت خاوند کے ساتھ جانے پر آمادہ نہ تھی اور علیحدگی کا مطالبہ کر رہی تھی۔ عمرؓ فاروق نے حکم دیا کہ عورت کو کسی خوفناک اور ویران گھر میں بند کر دیا جائے اگلی صبح آپ نے اسے بلا بھیجا اور پوچھا ''تم نے رات کیسے گزاری؟ اس نے جواب دیا جب سے اس شخص کے گھر گئی ہوں آج پہلی رات ہے کہ میں نے راحت اور سکون سے بسر کی ہے۔'' یہ سن کر آپ نے حکم دیا کہ عورت کو طلاق دے دی جائے اگر چہ اس کے بدلے میں عورت اپنے کان کی ایک بالی ہی پیش کرے

۔

نبی اکرمؐ عرب تھے قرآن مجید عربی میں ہے اور جنتیوں کی زبان بھی عربی ہوگی لہٰذا عمر فاروقؓ نے حکم جاری کیا کہ'' عربی زبان سیکھا کرو کیونکہ یہ تمہارے دین کا حصہ ہے۔'' مثالی حکمران ہونے کے ناطے فن تعمیرات کے متعلق بھی خاص معلومات رکھتے تھے شہروں کی منصوبہ بندی کا جو تصور عمر فاروقؓ نے دیا وہ اب تک عمل میں آرہا ہے۔ انہوں نے اپنی خلافت میں عمال کو لکھ دیا کہ ''اپنی عمارتوں کو منزل دو منزل بلند نہ کرنا تمہارے بدترین ایام وہ ہوں گے جب تم بلند عمارتیں بنانے لگو گے جن سے لوگ دھوپ اور ہوا سے محروم ہو جائیں گے۔''

ملت اسلامیہ کا ایسا حکمران جس کے نام سے کافروں پر لرزہ طاری ہوتا ہوا اپنی مجلس میں ہر شخص کو آزادئ اظہار کا موقع دیتا ہے ایک دفعہ مجلس میں کچھ حضرات بیٹھے تھے کہ آپ نے بُو محسوس کی اور کہا ''میرا ارادہ ہے جس شخص کا وضو ٹوٹا ہے اسے حکم دوں کہ وہ وضو کر کے آئے'' عبداللہ بن جریر نے فوراً عرض کی ''امیر المومنین بہتر یہ ہے کہ ہم سب تجدید وضو کر لیں لہٰذا آپ سب کو حکم دے دیں۔''

یہ سن کر عمرؓ فاروق نے کہا ''اے عبداللہ خدا تیرا بھلا کرے تو زمانہ جاہلیت میں بھی سردار تھا اسلام میں بھی سردار ہے بلاشبہ کسی کا راز فاش کرنے کی بجائے سبھی کا وضو کرنا بہتر ہے۔''

اللہ نے مرد اور عورت دونوں کو پیدا کیا اور نسل انسانی کی نمو اور بقا میں دونوں کا کردار ہے، عمر فاروقؓ مردانگی کے

زعم میں نہیں رہتے تھے بلکہ عورتوں سے مشورہ طلب کرتے ..... دسترخوان پر روکھا سوکھا ہوتا کوئی ڈرتے ہوئے ان کے کھانے میں شامل نہ ہوتا کہ ایسا کھانا حلق سے نیچے جانا مشکل ہوتا۔لیکن ہرطرح کے بہترین کھانا پکانے کا ہنر جانتے تھے۔ کسی نے حیران ہوکر کہا امیر المومنین آپ تو لگتا ہے کھانا پکانے کے فن میں بھی استاد ہیں۔فرمایا''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور اپنی نیکیوں کو بچا بچا کر رکھنے کی فکر نہ ہوتو میں بھی تمہاری طرح زندگی کے مزے لوں۔''

عمر فاروقؓ کے ساتھ ایک صفت ذہن میں لازم وملزوم کے طور پر ہے اور وہ ہے عدل فاروقی۔ یہ عدل دوسروں کے لئے ہوتو آسان اپنے لئے تکلیف دہ امر ہے اپنے لئے عمرؓ فاروق نے ویسے ہی عدل کو پسند کیا جیسے اوروں کے لئے۔ ایک دفعہ ایک بدو سے گھوڑے کا سودا کرنا چاہا گھوڑے پر سوار ہوئے اور گھوڑا ٹھوکر کھا کر لنگڑا ہوگیا۔آپ نے بدو سے کہا''اپنا گھوڑا لے لو میں یہ نہیں خریدنا چاہتا۔اس نے کہا ،اب میں اسے نہیں لے سکتا۔حضرت عمرؓ نے کہا، اچھا کسی ثالث سے فیصلہ کرا لیتے ہیں، اس نے کہا ٹھیک ہے۔ یہ معاملہ قاضی شریح کے سامنے پیش کیا گیا اس نے کیس سننے کے بعد کہا''امیر المومنین جو گھوڑا آپ نے خریدا ہے اسے لے لیں وگرنہ جس حال میں اس کے ہاتھ سے لیا تھا اسی حال میں واپس کریں۔''

عمرؓ فاروق نے یہ فیصلہ سنا تو عش عش کر اٹھے اور فرمایا ''عدل ہوتو ایسا ہو۔'' اسکے بعد آپ نے انہیں قاضی مقرر کیا۔عورتوں کے ساتھ ساتھ غلاموں کے حقوق کے محافظ تھے۔امور مملکت کے ان سارے امور سے واقف تھے جو کردار کو مثالی بناتے ہیں، فرماتے''اگر راستے کی خرابی کی وجہ سے عراق کے کسی علاقے میں بار برداری کا خچر پھسل جائے تو اس کی باز پرس مجھ سے ہوگی۔'' ایک مرتبہ جنگل میں بیمار بوڑھے اونٹ کو دیکھا۔عمرؓ اس کی جانب بڑھے اس کی پیٹھ پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور اس کی چیکنگ کرنے لگے کہ کیا تکلیف ہے ساتھ ہی کہنے لگے''مجھے ڈر ہے قیامت کے دن مجھ سے تیرے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔''

بطور سپریم کمانڈر فوجی اور جنگی معاملات میں آپ کی ذہانت غیر معمولی تھی کمانڈروں کو بھیجی جانے والی ہدایات، اسلحہ کا استعمال، فوج کے لئے مختلف شعبوں کا قیام ان کی کوششوں سے ہوا۔مسلمان فوج کسی جنگی معرکہ پر روانہ ہوتی تو ان کا دل اس فوج کے ساتھ سفر کرتا۔ بظاہر یہ بات مضحکہ خیز ہے مگر مومن اس پر یقین لانے میں ذرہ بھر تامّل نہ رکھے گا کہ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عمرؓ کی آواز سینکڑوں ہزاروں میل دور مصروف مجاہدوں کو سنوا دی۔ مدینہ منورہ میں منبر رسولؐ پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے کہ خطبہ کے دوران کہا۔

''اے ساریہ! پہاڑ کی جانب نظر رکھو۔ جس نے بھیڑیئے کو ریوڑ کا نگران بنا دیا اس نے ظلم کیا۔''

لوگوں نے خطبے کے دوران یہ غیر متعلقہ الفاظ سنے تو حیران ہوئے، نماز کے بعد حضرت علیؓ نے پوچھا، یا امیر

المومنین خطبے کے دوران یہ آپ نے کیا کہا تھا؟ حضرت عمرؓ نے پوچھا ''تم نے کیا سنا؟'' حضرت علیؓ نے بتا دیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا، کیا واقعی میں نے یہ کہا تھا؟ جب انہوں نے تصدیق کی تو بتایا خطبے کے دوران میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ میدان جنگ میں مجاہدین کا فروں سے جنگ کررہے ہیں اور کافر پہاڑ پر سے ان پر حملہ کرنا چاہے اگر مجاہدین نے بروقت تدارک کرلیا تو کامیاب ہو جائیں گے وگرنہ دشمن کا نشانہ بن جائیں گے۔'' ممکن ہے میرا خیال الفاظ بن کر میرے ہونٹوں سے ادا ہوا ہو اور آپ نے سن لیا ہو۔

اس واقعہ کے ایک ماہ بعد قاصد فتح کی بشارت لے کر مدینے آیا اور بتایا کہ جب مجاہدین پہاڑ کے پاس سے گزر رہے تھے تو امیر المومنین کی آواز کے مشابہہ آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی سار یہ پہاڑ کی جانب دیکھو..... پس ہم نے پہاڑ کی جانب رخ کرلیا اور اللہ نے ہمیں دشمن پر فتح نصیب فرمائی۔

تاریخ اسلامی کا عظیم سربراہ، قربت کے رشتوں میں ریشم کی طرح نرم ہے اپنے بھائی زید بن خطاب کی شہادت کے بعد کہا کرتے تھے ''بادصبا چلتی ہے تو زید کی خوشبو لیے آتی ہے دل کے زخم تازہ ہو جاتے ہیں اور قرار وسکون چھن جاتا ہے۔'' متمم بن نویرہ نے اپنے بھائی کا دردناک مرثیہ لکھا جب اس کی مدینہ آمد پر عمرؓ فاروق سے ملاقات ہوئی تو آپ نے کہا، اگر میں تمہاری طرح شاعر ہوتا تو تیری طرح اپنے بھائی کا دردناک مرثیہ لکھتا۔ نویرہ نے کہا ''امیر المومنین اگر میرا بھائی اللہ کی راہ میں اس طرح مارا جاتا جیسے آپ کا بھائی قتل ہوا تو مجھے کوئی غم نہ ہوتا اور میں اس کے لئے مرثیہ نہ کہتا۔'' یہ سن کر حضرت عمرؓ فاروق کو بڑی تسلی ہوئی اور کہا مجھ سے بہت سے لوگوں نے میرے بھائی کی تعزیت کی مگر تجھ سے بہتر تعزیت کرنے والا کوئی میرے پاس نہ آیا۔

قارئین! چار سو چھپن صفحات کی اس کتاب میں حضرت عمرؓ کی حس مزاح، تجارت، سیاست، ثقافت، عدل، مواخذے الغرض ہر موضوع پر مصنف کی ذاتی جذبات میں بہتی موثر تحریر ہے جسے پڑھ کر دل میں ایک ہی امنگ بیدار ہوتی ہے۔ اے کاش امت مسلمہ کو بس ایک عمرؓ فاروق نصیب ہو جائے۔

حضرت عمرؓ کا دوسرے ممالک کے سربراہان کو اسلام کی دعوت دینے کا انداز بہت دلچسپ تھا۔ قیصر روم نے ایک دفعہ انہیں خط لکھا ''مجھے میرے ایلچیوں نے بتایا ہے کہ تمہارے ملک میں ایک درخت ہے جس میں بہت سی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ زمین سے نکلتا ہے تو گدھے کے کانوں کی طرح ہو جاتا ہے پھر وہ موتی کی طرح ٹوٹ جاتا ہے اس کے بعد زمرد کی طرح سبز ہو جاتا ہے پھر سرخ یاقوت کی طرح اسکا رنگ چمک اٹھتا ہے پھر وہ پک جاتا ہے اور نہایت میٹھا اور خوش ذائقہ ہوتا ہے پھر وہ خشک ہو جاتا ہے اور مقیم کے لئے خوراک، مسافر کے لئے زاد راہ کا کام دیتا ہے اگر میرے ایلچیوں کی یہ بات درست ہے تو مجھے یقین ہے یہ جنت کا درخت ہے۔'' حضرت عمرؓ نے اپنے خط میں اس درخت کی تصدیق کی لیکن حق تبلیغ کو سامنے رکھا ''یہ درخت ہمارے ملک میں کثرت سے موجود ہے یہ وہی درخت

ہے جو عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت اللہ نے مریم پر سایہ فگن کیا میں تمہیں یہ دعوت دیتا ہوں کہ جس اللہ نے یہ درخت پیدا کیا اس سے ڈرو اللہ اس درخت کا اور عیسیٰؑ کا خالق بھی ہے میں تمہیں غور وفکر کی دعوت دیتا ہوں اور اللہ کی واحدنیت پر ایمان لانے کی بھی۔''

کتاب کے اختتام پر حضرت خالدؓ بن ولید کی معزدل کے متعلق شبہات کا مدلل جواب اور ان کی عظمت و کردار کے واقعات مفصل بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کی تفصیل ''چشم دید'' کے طور پر درج ہے شہادت کے واقعات لمحہ بہ لمحہ تحریر ہیں ان کے آخری حج اور رفقائے کرام کے تاثرات بھی کتاب میں شامل ہیں۔ زخمی حالت میں بھی لوگوں کے بے تحاشا غم اور تعریفی کلمات پر فرماتے ہیں۔

''مجھے کوئی زعم نہیں میں اگر برابر برابر بھی چھٹ گیا نہ ثواب کا مستحق ٹھہرا نہ عذاب کا سزاوار تو اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا۔'' آپ کی تعریفی کلمات میں گواہی دینے والا واپس جانے لگا تو اس کا تہہ بند زمین پر گھسٹ رہا تھا اسے بلا کر کہا ''بھتیجے اپنا تہہ بند اونچا رکھو اس سے تمہارا کپڑا صاف ستھرا اور دین محفوظ رہے گا۔''

اللہ اکبر! اے عمرؓ بن خطاب آپ کو اپنے اوپر زعم نہیں لیکن ملت اسلامیہ آپ کے بعد آپ کی پرچھائیں جیسا سربراہ نہ پاسکی۔

☆☆☆

محشرخیال

ڈاکٹر سلیمہ خانم ۔ لاہور

اپریل کا بتول ماشا اللہ بیحد پراز معلومات ہے ۔ اداریہ کا تو جواب نہیں ڈاکٹر بشریٰ تسنیم ، ڈاکٹر کوثر فردوس ابواحمد کی تحریروں نے بڑا اشاد کام کیا۔

ڈاکٹر ثمین ذکا نے بہت ہی سادہ سے انداز میں آپ بیتی کا آغاز کیا ہے خدا کرے دلوں پراثر انداز ہوتی رہے ۔افسانے اس بار کچھ گنجلک سے ہیں مگر خیر سبق آموز ہیں ۔ قانتہ رابعہ اور ڈاکٹر نزہت اکرام کی کمی محسوس ہوئی ان کے افسانوں میں اچھوتے پلاٹ ہوتے ہیں اور خصوصاً ڈاکٹر نزہت کے افسانوں میں تو حقیقتوں کو بڑے دلکش افسانوی انداز اور حسین الفاظ سے بڑے پراثر پیرایہ بیان میں پیش کیا جا تا ہے ۔اس بار محشر خیال میں ان دونوں کا ذکر ہمیشہ سے زیادہ ہی نمایاں نظر آیا۔خوشی ہوئی کہ اکثر بہنیں ان کی قدر دان ہیں محشر خیال میں ایک بات خاصی بے تکی لگی کہ کسی کو اس امر پر کوفت ہوتی ہے کہ کچھ نامور لکھنے والے اپنی تحریریں جلد یا بدیر کئی جگہوں پر بھیج رہے ہیں ۔

سوال یہ ہے کہ اس میں کسی کے لئے کوفت کا سامان کیا ہے؟ اچھی تحریریں تو رسائل اوراخبارات سے از خود لے کر بھی شکریہ کے ساتھ کئی کئی رسالوں اور اخبارات میں شائع کر دی جاتی ہیں ۔ اچھی بات ، اچھا خیال ، اچھا تجربہ ، نئی معلومات یا عبرت انگیزی مختلف حلقوں ، مختلف ملکوں میں مختلف رسالوں کے ذریعے پہنچا دی جائے تو اس میں قباحت کیا ہے اور کوفت کس لئے ؟ کسی کو بار دگر کوئی تحریز زیر مطالعہ لانی پسند نہیں تو مطالعہ نہ فرمائے اس ''حرکت بد'' پر مصنفین پر قدغن لگانے کا اختیار ان کو کس نے دیا؟ ڈاکٹر شگفتہ نقوی کا تجربہ کار قلم بہترین مشورے دیتا ہے ۔فرزانہ چیمہ کے ''چلتے چلتے'' کو رب رحمان ہمیشہ چلتا رکھے آمین ۔قانتہ رابعہ کی لائبریری سے بہت فیض رسانی ہورہی ہے ماشاءاللہ سفرنامے حصہ نظم اور مستقل سلسلے خوب ہیں ۔رب رحمان آپ کی مساعی کا میابی سے جاری رکھے اور اس ملک کو غاصبوں سے جلد پاک کردے ۔آمین ثم آمین ۔

☆ محشر خیال میں خوش آمدید!

اچھی بات کو مختلف رسالوں کے ذریعے پہنچانے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر یہ ''بتول'' کی ڈیمانڈ بھی ہے کہ ''بتول'' میں لکھنے والے پہلے ''بتول'' کو اپنی تحریر دیں، جب شائع ہو جائے تو بے شک ہر جگہ دیں ایک رسالے کا اعتبار تحریروں کے معیاری اور تازہ ہونے سے ہی بنتا ہے رہا انتخاب ،تو وہ ادارات کی صوابدید پر ہے ۔قارئین کوئی اچھی تحریر تجویز کر سکتے ہیں ۔(مدیرہ)

سیدہ فاطمہ گیلانی ۔ساہیوال

مارچ کا شمارہ جگمگاتا ہوا جلوہ گر ہوا لیکن اداریے نے شرمندگی ندامت اور دکھ الم کے تھپیڑوں سے پچھاڑ کر رکھ دیا مضمحل افسردہ طبیعت کے ساتھ آگے بڑھتے گئے نبیؐ کی شفاعت ، وہ حبیبؐ میرا طبیب ہے،صدیوں کی گواہی اور آخر میں محترمہ رخسانہ جبیں صاحبہ کے مضمون ''مشترکہ لائحہ عمل وقت کی ضرورت'' نے ڈھارس بندھائی کہ حالات ضرور پلٹا کھائیں گے اس کے گھر دیر ہے (کسی مصلحت کی بنا پر) اندھیر نہیں ضرور اجالا ہوگا ۔ وطن عزیز اور امت مسلمہ ضرور بہتری کی طرف گامزن ہونگے ''خدیجہؓ تیری عظمت کو سلام'' کائنات کی وہ خاتون اول جس کو خود خدا تعالیٰ اور اس کا پیام بر جبرائیلؑ انہیں سلام بھیجیں کیوں نہ ان کو ہم سب کا سلام پہنچے بہت ہی بہترین موضو

ع اور اہم حکم ہے کہ ہمارے جھوٹی انا والے معاشرے کا جزاک اللہ بہن قانتہ رابعہ ہمیشہ ایسے ہی کارنامے انجام دیتی رہیں بہن نصرت یوسف کا ''گلاب'' بھی تاثر میں گلاب ہی تھا ''ساتھ ساتھ'' جیسی تحریریں زندگی بارے میں رویے کو مثبت بناتی ہیں محترمہ ڈاکٹر شگفتہ نقوی بڑھاپے کو اچھا گزارنے اور اچھی ساس بننے کے لئے بہتر مشوروں کا بہت بہت شکریہ ایک ماں کا پیغام بہت ہی خوبصورت اور حقیقی تھا جس کو بھی سنایا اس نے پسند کیا۔ بھائی عتیق الرحمٰن قریشی نے پریشانی اور اس کے تدارک پر بہت ہی کارگر تحریر لکھی ہے ماشااللہ نوائے شوق میں بھی سب نے اچھا حق ادا کیا خصوصاً بہن نزہت اکرام کا کلام ''طوفان کہاں سے اٹھتا ہے'' نے رلا دیا اور سب کو یہ پیغام سنانے پر مجبور کر دیا کہ شائد سننے والے ہم سے بہتر ہوں۔

ساجدہ ناہید۔ دبئی

الحمدللہ بتول کا ساتھ تو بہت بچپن سے نصیب ہے۔ میرے مُربی اور محسن دادان مولانا غلام سرورؒ اور استاذ مشفق کنور سعید اللہ خانؒ کی وجہ سے بتول سے دوستی ہوئی (اللہ تعالیٰ اُن دونوں ہستیوں کی قبروں کو منور فرمائے)

بتول ہمیشہ ہی سے علم و آگہی کا ذریعہ ہے مگر آج کتنے ہی سالوں بعد جس چیز نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا وہ ''خدیجہؓ تیری عظمت کو سلام'' ہے۔ میں اپنی اس عظیم ماں کی زندگی کے بے شمار تابناک پہلوؤں پر اکثر سوچتی رہتی ہوں اور میرے لئے یہ ہستی ایک آئیڈیل ہے مگر بہن قانتہ نے جس طرح امت کی بیٹیوں کے سامنے اس عظیم ماں کی زندگی کا یہ پہلو اجاگر کیا اس پر وہ واقعی شاندار مبارکباد کی مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے قانتہ کے ذریعے ہمیں اُم المومنین کی زندگی کے اس شاندار پہلو کو سمجھنے کی توفیق دی۔ آج کے اس مادہ پرستی کے ماحول میں اچھی بھلی مائیں دو بچوں کے ساتھ ہی بہت تھکی تھکی نظر آتی ہیں اور بعض تو علی الاعلان یہ کہتی ہیں کہ بس دو ہی پل کر پڑھ لکھ جائیں تو کافی ہے۔ گویا انسان خود اپنا خدا بنا بیٹھا ہے سیدہ خدیجہؓ جس طرح پہلی وحی کے موقع پر اپنے شوہر کی تائید و نصرت کرتی ہیں وہ بھی لکھا جانا چاہیے۔ قانتہ سے درخواست ہے کہ اگر ممکن ہو تو ام المومنین کی زندگی کے اس پہلو پر بھی قلم اٹھائیں، آجکل کی ان بیویوں کیلئے جو ہر نعمت موجود ہونے پر بھی اپنے شوہروں سے شاکی نظر آتی ہیں۔ مثبت تعریف صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور جذبوں کو جلا بخشنے کا ذریعہ ہوتی ہے کیونکہ **من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ** بہت شکریہ!

ویسے اس ماہ کا بتول شروع سے آخر تک تبصرہ کا مستحق ہے، ڈاکٹر بشریٰ تسنیم نے بہت ہی اہم موضوع کا انتخاب کیا۔ شفاعت کے حوالے سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہے دیکھئے ڈاکٹر صاحبہ کس طرح اس غلط عقیدہ کی اصلاح کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہترین اجر سے نوازے آمین۔ فروری کے پرچے میں ڈاکٹر صاحبہ کے قلم سے ''بارش کے بعد'' بہت ہی عمدہ افسانہ تھا۔ انہوں نے بڑی خوبصورتی سے یہ سوچ دی کہ نیکی کا بیج بونے میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔ یا اللہ! ہماری ان اذانوں میں روح بلالیؓ پھونک دے۔

ڈاکٹر رخسانہ صاحبہ کا حالات حاضرہ پر بصیرت افروز مضمون وقت کی شدید ضرورت ہے انہوں نے جو مشترکہ لائحہ عمل پیش کیا بلاشبہ اگر تمام مکاتب فکر کے لوگ اپنے اپنے اختلافات بھلا کر ناموسِ رسالت کو بچانے کیلئے ان نکات پر عمل کریں تو ممکن ہے کہ گرداب میں پھنسی امت مسلمہ کی ناؤ کنارے لگنے میں کامیاب ہو جائے۔ ارشاد عرشی کا ایک ماں کا بچوں کیلئے پیغام خوبصورت اور بھرپور ہے کاش یہ پیغام امت کے ہر فرد کے دل میں رچ بس جائے۔

ہلکا پھلکا میں فرزانہ جی کا ''اف یہ درد'' واقعی ہلکا کر گیا۔ چلتے چلتے کو پڑھتے ہوئے بے اختیار مسکراہٹ لبوں پر آجاتی ہے یہ فرزانہ کا ہی کمال ہے کہ کس خوبصورتی سے الفاظ کے موتی پروتی چلی جاتی ہیں۔ کہیں کہیں پنجابی کے لفظ بہت مزا دیتے ہیں اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ دارالمطالعہ ایک بہترین سلسلہ ہے قانتہ یہ بتائیے کہ آپ مطالعہ کے لئے اتنا وقت کیسے نکال لیتی ہیں؟ کیا پڑھنے لکھنے کے علاوہ بھی آپ کوئی کام کرتی ہیں؟ (یہ سوال دراصل ذاتی پلاننگ بہتر بنانے کیلئے ہے) ڈاکٹر شگفتہ نقوی صاحبہ نے ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی بڑے خوبصورت اور پریکٹکل موضوع کا

انتخاب کیا یہ جملہ بہت خوب ہے کہ ہم دوسروں کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں تا کہ ان کی شخصیت کے جو کونے ہمیں چبھ رہے ہیں وہ گول ہو جائیں مگر ہم خود کو بدلنا نہیں چاہتے ۔ ڈاکٹر صاحبہ سے درخواست ہے کہ اچھی بہو بننے کے موضوع پر بھی لکھئے گا تا کہ ہم آپ کی تحریر کو آئینہ بنا کر اپنی اصلاح کر سکیں ۔ بہر حال اچھی ساس بننے کیلئے تمام نکات نوٹ کر لیے ہیں (دیکھے عمل کا وقت آنے پر کیا ہوگا!)

محشر خیال میں میرے خیالوں کی یہ پہلی شرکت ہے (ڈرتے ڈرتے) اگر واقعی شرکت ہوگئی تو شائد آئندہ کیلئے حوصلہ بڑھ جائے، اسی پر اکتفا کرتے ہوئے بتول کے تمام لکھاریوں اور ادارتی ٹیم کو میری طرف سے سلام پہنچے۔

☆☆☆☆

بتول میگزین

نکاح

(ام عثمان۔سیالکوٹ)

آجکل ہمارے اکلوتے بھائی کی شادی کی تیاریاں ہیں ہماری امی جان کا جو حال ہو رہا ہے اُسے دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ جن ماؤں کے بفضل تعالیٰ پانچ پانچ چھ چھ بیٹے ہیں وہ کن کن کٹھن مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے بیٹوں کے سر پر سہرا سجاتی ہوں گی!

ہمارے ابا محترم تو شادی کے 6 سال کے بعد ہی تین بچوں کو ہماری ماں کے سپرد کر کے اپنی نوجوان 28 سالہ بیوی کو داغ مفارقت دے گئے ہماری ماں نے نبیؐ کی اس حدیث پاک کے سہارے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند ایسی حالت میں فوت ہو جائے کہ پیچھے بچے چھوڑ جائے اور وہ عورت اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کرتے ہوئے ان بچوں کی پرورش کرے تو وہ اور میں اس طرح ساتھ ساتھ جنت میں داخل ہوں گے جیسے دو انگلیاں اکٹھی ہوتی ہیں ہم تینوں بچوں کی اپنے میکے میں رہ کر بہترین طریقے سے پرورش کی۔ اب جبکہ بیٹیاں اپنے اپنے گھروں کی ہیں تو بیٹا جو دونوں بیٹیوں سے بڑا ہے اور اچھی پوسٹ پر فائز ہے اس کی شادی کی باری آئی۔

میری ماں بھائی کی شادی کی تیاریوں کی باتوں سے ڈرتی ہیں حالانکہ نبیؐ کا فرمان ہے۔''بلاشبہ برکت کے اعتبار سے سب سے بڑا نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم اخراجات ہوئے ہوں'' (عن حضرت عائشہؓ شعب الایمان بیہقی)۔

امی ڈرتی ہیں کہ لوگ کہیں گے''دیکھو جی ایک تو بیٹا تھا اپنے اکلوتے بیٹے کا کوئی چاؤ نہیں کیا کوئی محبت ہی نہیں ہے اپنے بیٹے سے، تبھی تو کوئی خوشی ہی نہ کی کوئی شگن ہی نہ کیے۔''

''بڑی تنگدل عورت ہے۔ بیٹے کی شادی پر خرچ کرنے سے گھبرا رہی ہے جبکہ بیٹا 8 سال سے کما رہا ہے۔ پتہ نہیں کس کے لئے جوڑ رہی ہے''

''ارے چھوڑو! تنگدستی کے وقت کی عادتیں پکی ہوگئی ہیں اسی لئے تو اکلوتے بیٹے کی شادی غریبوں کی طرح کی۔''

لہٰذا مندرجہ بالا باتوں کے خوف سے ہماری ماں کچھ اس طرح سے بیٹے کی شادی کی تیاریاں کر رہی ہیں کہ جیسے وہ پل صراط پر کھڑی ہیں۔ والدہ صاحبہ کو بڑے ہی ادب واحترام کے ساتھ ہم یہ سمجھاتے ہیں کہ امی جان لوگوں سے مت ڈریئے ان کی باتوں کی پروا مت کیجئے یہ تو دو دھاری تلوار ہیں، ہر حال میں باتیں کریں گے تو کیوں نہ نبیؐ کی باتوں پر عمل کر کے دنیوی وآخروی سکون، آسانیاں اور خوشیاں خرید لیں۔

قارئین کرام! آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

خوشی اور شکر

(مریم شہزاد)

انسان ہمیشہ خوشی کی تلاش میں رہتا ہے اور خوشی کے اظہار کے لئے مختلف طریقے اپناتا ہے۔غور کیا جائے تو ''شکر'' خوشی کی سب سے خوبصورت شکل ہے اور شکر بھی اس پاک پروردگار کا جو شکر کا سب سے بڑا حق دار ہے۔بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے ہر وقت منہ بسورتے شکل بگاڑتے نظر آئیں گے یہ نہیں ہے وہ نہیں ہے یہ کام تو ہوتا ہی نہیں دعائیں مانگ مانگ کر تھک گئے مگر بے سود لیکن اگر شکر کو اپنا شعار بنالیں تو انسان ہر وقت خوش رہتا ہے۔اب اسی بات کو لے لیجئے کہ سب سے بڑا شکر کا مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو مسلمان

گھرانے میں پیدا کیا، مسلمان اور آزاد مسلم ملک میں پیدا کیا، جہاں پانچ وقت اذان کی آواز اپنے کانوں سے سنتے ہیں اس پاک پروردگار نے ہم کو والدین گھر، شوہر بچے، دوست احباب سب نعمتیں دیں اولاد کی اچھی تربیت ان نعمتوں کے شکر کا ہی طریقہ ہے۔

اگر ہم اپنے بچوں کو شروع ہی سے شکر کی عادت ڈالیں تو وہ ہمیشہ خوش اور مطمئن رہیں گے، شکر کے لئے تو آج کل خوشیاں ڈھونڈنے کی ضرورت بھی نہیں لائٹ آ گئی شکر، پانی آ گیا شکر، طوفان ٹل گیا شکر، صحیح سلامت گھر سے گئے اور آ گئے بغیر کسی نقصان کے شکر بس شکر کا جذبہ ہونا چاہیے ورنہ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ خوشی کے سر چشمے آپ کے اندر ہوتے ہیں آپ کے گھر کے اندر اور یہ خوشی اسی وقت اپنے اندر سے پھوٹ سکتی ہے جب قناعت ہو اور انسان حسد اور رقابت سے بالاتر ہو۔

سبق

(عذرا زبیر۔ کراچی)

1940 کا واقعہ ہے کہ ایک نواب بحری سفر کے لئے یورپ روانہ ہوئے۔ جہاز کے عرشہ پر عصر کی نماز ادا کی جب سلام پھیرا تو آ کر انگریز نے ہاتھ ملایا اور گویا ہوا کہ مجھے ایک مسلمان سے ملکر بہت خوشی ہوئی مجھے امید ہے کہ میں آپ سے اسلام کے متعلق کچھ سیکھ سکوں گا کیونکہ میں ابھی نیا نیا مسلمان ہوا ہوں پھر باتوں ہی باتوں میں اس نے سوال کر دیا کہ آپ نے نماز میں ''رفع یدین'' نہیں کیا؟ نواب صاحب ہم جیسے مسلمان تھے، اپنے عمل کی مدافعت میں دلائل دیے لیکن وہ قائل نہ ہوا آخر میں نواب صاحب نے کہا کہ ''میں جدی پشتی مسلمان ہوں اور اسلام کو تم سے بہتر سمجھتا ہوں'' بے چارا انگریز خاموشی سے اپنے کیبن میں چلا گیا مغرب وعشا کی نماز میں وہ انگریز نظر نہ آیا رات کا کھانا کھا کر نواب صاحب بھی اپنے کیبن کو روانہ ہوئے تو دیکھا کہ انگریز کے کیبن کی لائٹ جل رہی ہے نواب کو فکر ہوئی کہ کہیں اس کی طبیعت تو خراب نہیں دروازے پر دستک دی تو جواب آیا اندر آ جائیں۔ نواب نے دیکھا کہ وہ کتابوں میں گھرا ہوا بیٹھا ہے پوچھنے پر اس نے جواب دیا کہ نواب میں تمہارے جواب سے مطمئن نہیں تھا اور جاننا چاہتا ہوں کہ صحیح کیا ہے؟ نواب صاحب نے فراخ دلی سے فرمایا! دوست اتنی سی بات کے لئے تم نے ایک خوب صورت سی شام ضائع کر دی۔ انگریز نے برجستہ جواب دیا ''you are muslim by chance and i am muslim by choice'' یعنی آپ اس لئے مسلمان ہیں کہ ایک مسلمان کے گھر پیدا ہوئے اور میں نے اسلام کو سمجھ کر اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا نواب صاحب لکھتے ہیں کہ میں رات بھر سوچتا رہا کہ واقعی میں صرف اس لئے مسلمان ہوں کہ ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا اور مجھے اپنے مذہب سے ایسی محبت ہے جیسے ایک ہندو کو اپنے بتوں سے، میں نے اسلامی تعلیمات کو کبھی بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور بڑی دیانت سے اپنے سفر نامے میں انہوں نے لکھا کہ میں نے ایک انگریز سے اسلام سیکھا۔

گلشنِ دہر میں غنچے ہیں بہت گُل بھی بہت
کم ہیں وہ جن سے محبت کی مہک آتی ہے

توہین رسالتؐ کی تاریخی حقیقت

(زہرہ۔ کراچی)

مسلم اسپین میں توہین رسالتؐ کی یہ تحریک 850ء میں امیر عبدالرحمٰن الاوسط کے دور میں شروع ہوئی اور ان کے بیٹے محمد بن عبدالرحمٰن کے عہد حکمرانی میں 860ء میں ختم ہوئی۔ یہ تحریک عیسائی پادری یولوجیئس نے شروع کی۔ وہ چرچ میں عیسائیوں کو باقاعدہ طور پر توہین رسالتؐ کے من گھڑت فضائل سناتا اور انہیں اس بات پر آمادہ کرتا کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کے سارے گناہ دھل جائیں گے اور خداوند مسیح ان سے راضی ہونگے۔ یہ ایک ایسی منظّم تحریک تھی کہ باقاعدہ چوک اور بازاروں میں عیسائی سر عام توہین رسالت کا ارتکاب کرتے۔

تاریخی لحاظ سے اسپین کی یہ تحریک عیسائیوں کی جانب سے توہین رسالت کی نہ ختم ہونے والی راس مہم کا نقطہ آغاز ہے جو آج بھی جاری ہے اس مہم میں عیسائیوں کی سنجیدگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا

ہے کہ آج بھی اگر دنیا کے کسی گوشے میں توہین رسالت ہوتی ہے تو ایسے گستاخوں کو پناہ صرف یورپ میں ملتی ہے۔ جنہیں پاکستان میں قانونِ توہین رسالت پر اعتراض ہے اگر اس قانون سے واقعتاً دوسرے ملکوں کو شکایت ہوتی تو پھر پاکستان کی باقی اقلیتیں بھی اس کے خلاف بولتیں اور صرف یورپ امریکہ ہی نہیں بلکہ بھارت، چین، جاپان اور دیگر ممالک بھی اس قانون کے حوالے سے شور مچاتے مگر مسئلہ صرف اور صرف ان عیسائیوں کو ہے جو تاریخ کے مختلف ادوار میں توہین رسالت کی تحریک برپا کرتے رہے۔ لہٰذا یہ دعویٰ لغو ہے کہ پاکستان کے اندر قانون توہین رسالت کا غلط استعمال ہوتا ہے اور اسے ختم کرنے یا تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

دُکھ تو ایک مہربانی ہے

(اُم یحییٰ)

اپنے دکھ کو اپنے اندر ہی رہنے دو
یہ آنسو بن کر بہہ جائے
یہ دردِ دل دے جائے
اس کو رسوا نہ کرو
کسی کے سامنے آنکھ کو نم نہ کرو
ہنستے لوگ کیا دکھ کو سمجھیں
کیوں دل اپنا تم رسوا کرو
ہنستے لوگوں کو ہنستا ہی رہنے دو
دکھ کو گھونٹ گھونٹ پینا سیکھو
صبر کی سل پر پسنا سیکھو
دکھ کو طاقت بنانا سیکھو
ہمت سیکھو، شجاعت سیکھو
جان جاؤ! ان روتے لمحوں کو تسخیر کرنا ہے
ہر ارادے، ہر عزم کو ممکن کرنا ہے
طاقتِ قلم ہے گر پاس.....تو لکھنا ہے
قوتِ زباں دی ہے رب نے تو بولنا ہے
کچھ کرنا ہے
پھر نہ دکھ ہوگا، نہ یہ آنسو، نہ یہ دردِ دل!
ہنستی دنیا ہوگی.....ہنستا آسمان
پھر جان جاؤ گے دکھ تو ایک مہربانی ہے
جگانے اور کھڑا کرنے کا ایک بہانہ خدا کی طرف سے
اک نعمت، نعمتِ خاص، خاص بندوں کے لئے
سو، دکھ میں اب خیال رکھنا
اپنے رب کو یاد رکھنا!

نثری نظم

عجب نرالے ڈھنگ ہیں
اے دنیا والو تمہارے!
خوش مزاج رہا جائے
تو کہتے ہو
سنجیدہ مزاجی نام کو نہیں ہے!
اور اگر
سنجیدہ رہا جائے
تو کہا جاتا ہے
جناب نے مسکرانا سیکھا ہی نہیں!

(امامہ نور۔ بہاولپور)

انتظار

جگمگاتے ہوئے انتظار کا
لباس اوڑھ کر
میں نے بازی محبت کی ہاری ہو

سہ پہر کا کوئی سندیسہ

میرے نام آئے پھر سے

اور پھر اک شام

تیرے ہمراہ گزاری ہو

اب کے یوں ہو..... کہ

تیری باقی عمر

کسی ہم سفر کے ساتھ گزرے

اور میں نے..... یہ زندگی

صرف تیرے نام پر گزاری ہو

(ساجدہ عبدالغفور۔ریاض)

میری دادی مرحومہ

(ام مانعہ)

ہماری دادی خدمت اور محبت کا نمونہ تھیں۔دادی کے والد فوج میں ڈاکٹر تھے ایک بھائی شپ پر تھے دوسرے بھائی پاکستان آ کر ٹیلیفون ڈیپارٹمنٹ میں ڈائریکٹر رہے۔خود دادی نے گھر میں تعلیم حاصل کی۔شعر وشاعری سے بھی شغف تھا۔ایک رشتے کے بھائی بہت اچھی شاعری کرتے تھے جو اکثر آ کر دادی کو سناتے تھے۔دادا کا کاروبار تھا جو ہندوستان کی تقسیم کے بعد سنبھل نہ سکا اس طرح دادی نے اپنا زیور بیچ کر گھر سنبھالا اور بچوں کی تربیت کی۔ہمیشہ راضی بہ رضا رہیں۔کبھی مشکل وقتوں کا رونا نہیں رویا۔انہیں کبھی کسی کی شکایت کرتے نہیں سنا۔میرے والد تعلیم مکمل کرنے کے بعد ماموں کے ڈیپارٹمنٹ میں ہی ملازم ہوئے مگر کبھی رشتہ داری کی بنا پر کوئی ناجائز فائدہ یا مراعت حاصل نہ کی بلکہ ماموں کی ریٹائرمنٹ کے بعد لوگوں کو اس رشتہ داری کا علم ہوا۔یہ خوددار اور غیرت مند ماں کی تربیت کا ہی نتیجہ تھا۔اپنے بچوں کے بعد پوتا پوتی کی تعلیم وتربیت بھی اسی شوق اور محنت سے کی قرآن کی تعلیم اور نماز کی صرف تلقین ہی نہیں اس پر عمل کرنا بھی سکھایا۔اسکے ساتھ ہمارے اسکول کی تعلیم پر بھی توجہ رہتی تھی۔ابتدائی انگریزی بھی ہم نے دادی سے ہی پڑھی اسکول میں والدین کو بلایا جاتا تھا تو یہ ذمہ داری بھی دادی ہی نبھاتی تھیں۔ہم میں سے کوئی بچہ بیمار ہوتا تو دادی کی پریشانی دیدنی ہوتی۔

ہمیں یاد ہے 71ء کی جنگ میں ہمارے گھر میں فوجی بھائیوں کیلئے زمانۂ جنگ میں قمیضوں پر کڑھائی کا کام ہوتا تھا۔اور کچھ چیزیں تیار کی جاتیں جو امدادی سامان کی مد میں ہوتیں۔محلّہ کی خواتین اس میں شریک ہوتیں۔کاموں سے فراغت کے بعد خواتین مل کر آیت کریمہ پڑھا کرتیں ہم سب بچے بھی اس تمام کام میں شامل رہتے۔

الیکشن کے زمانوں میں الیکشن کی سرگرمیاں بھی ہوتیں۔دادی اخبار میں سے جماعت کے قائدین کے بیانات پڑھ کر سناتی تھیں ہمیں سمجھ تو نہیں آتی مگر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ بہت اچھے لوگ ہیں جو اچھی باتیں کرتے ہیں۔ترجمان اور بتول جب سے ہوش سنبھالا اپنے گھر میں دیکھا۔دادی کے کمرے کے اوپر ایک لکڑی کا مچان تھا وہی ہمارا مشکل وقتوں میں امامن تھا۔

لکڑی کی الماری میں کتابیں اور رسالے بھرے ہوتے تھے۔وہیں ہم نے بچوں کا ''کھلونا'' پڑھا۔خواتین کا ''عفت'' اور ''نور''''زیب النساء'' جیسے رسالے بھی چھپ چھپ کر پڑھے۔''پلاؤ'' اور ''حویلی'' جیسے ناول تو آتے ہی تھے۔چھٹیوں میں اور دوپہر یا رات کو آرام کے اوقات میں پھوپھی ''زندگی بے بندگی شرمندگی'' کے سلسلے کی کوئی نہ کوئی کتاب پڑھ کر سناتی تھیں۔

دادی نے ہی ہمیں کپڑے کی گڑیاں بنا کر بھی دیں اور انکے کپڑے بھی بنانا سکھائے۔ان کے سامنے گڑیوں کے کپڑے سیتے سیتے اپنے کپڑے بھی سینے آ گئے۔غرض تعلیم وتربیت کے ساتھ گھر داری سب کچھ سکھا دیا۔ضعیفی کی حالت میں بھی نماز نہیں چھوڑی پاکی کا بہت خیال اور تلاوت قرآن بہت کرتی تھیں حتیٰ کہ قرآن تقریباً یاد ہی ہو گیا تھا۔اللہ ان کی قبر کو روشن کر دے۔آمین

قرارداد کی یاد.....کیا اس طرح

(شازیہ اویس۔ملتان)

آج 23 مارچ ہے اور عام تعطیل ہونے کی وجہ سے بچے گھر پر موجود ہیں۔انہوں نے ناشتے کے بعد ریڈیو لگایا اور ملی ترانوں کی آواز گھر میں گونجنے لگی۔

نئے دنوں کی مسافتوں کو اُجالنا ہے۔
وفا سے آسودہ ساعتوں کو سنبھالنا ہے
امیدِ صبح جمال رکھنا، خیال رکھا خیال رکھنا
اور پھر ایک اور ملی ترانہ گونجا
اے میرے پیارے وطن پاک وطن
تو دل افروز بہاروں کا ترو تازہ چمن
تو مہکتے ہوئے پھولوں کا سہانا گلشن

گلوکار وطن کی محبت میں سرشار گیت گا رہے ہیں مگر یہ گیت سن کر میرا دل رو رہا ہے کہ کس وطن کا خیال رکھنے کی بات کر رہے ہیں؟ اس وطن کا جس کو غدار نا اہل، عیش وعشرت میں ڈوبے ہوئے حکمرانوں نے ماضی میں بھی دو ٹکڑے کیا اور اب بھی اس کوشش میں ہیں۔اس گلشن کی بہاروں کو غربت، مہنگائی اور کرپشن نے خزاں میں بدل دیا ہے۔لوگ بے روزگاری اور مہنگائی کے ہاتھوں آئے دن خود کشیاں کر رہے ہیں۔

یہ وطن جو دل افروز بہاروں کا چمن تھا اسے ڈرونز حملوں نے لہو لہان کر دیا، اپنی ہی سرزمین کے ہوائی اڈے ڈرونز حملوں کیلئے استعمال ہو رہے ہیں۔ بلیک واٹر فورس اور انڈیا کے بھیجے ہوئے دہشت گردوں کے ہاتھوں بموں کے حملوں سے دن رات معصوم بچوں، عورتوں اور مردوں کی لاشوں کے انبار لگائے جا رہے ہیں یہ ''پھولوں کا سہانا گلشن'' تو جل کر راکھ ہونے کو ہے اپنوں ہی کے ہاتھوں، دل چاہ رہا ہے کہ ڈرونز حملوں اور بموں کے ذریعے شہید ہونے والے لوگوں کے لواحقین کی چیخیں، آہیں ہمارے بے حس، بے ضمیر حکمرانوں کو جھنجھوڑ دیں، اگر اُن میں انسانیت، دین اور وطن سے محبت کی کوئی رمق ہے تو اس کو جگا دیں۔

اب ریڈیو پر اس قومی تقریب کا حال سنایا جا رہا ہے جس میں صدر صاحب افواجِ پاکستان کے ان جوانوں اور افسروں کی بیواؤں میں تعریفی اسناد، انعامات تقسیم کر رہے ہیں جنہوں نے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کو امریکہ کے دہشت گرد قرار دینے پر شہید کر دیا، دل چاہ رہا تھا کہ وقت یہیں تھم جائے اور ہماری فوج میں 1965ء کی جنگ کے دوران جو جذبۂ جہاد تھا وہ جاگ جائے۔انہی سوچوں اور دعاؤں میں مگن تھی کہ بچوں نے ہاتھ میں اخبار تھما دیا نگاہ اچانک اس سرخی پر پڑی۔'' PNCA CONCERT ENTHRALS AUDIENCE''یعنی پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹس اسلام آباد کی محفلِ موسیقی نے حاضرین کو مسحور کر دیا۔

اس کے بعد یہ خبر تھی کہ اسلام آباد میں یومِ پاکستان کے موقع پر ایک بہت بڑی محفل موسیقی میں پاکستانی گلوکاروں اور فنکاروں نے رقص وموسیقی کا مظاہرہ کیا تاکہ دنیا بھر میں پاکستان کا سوفٹ امیج پیش کیا جائے۔اور اس خبر کے ساتھ تصویر میں سٹیج پر مینارِ پاکستان کے ماڈل کے سامنے پاکستانی دوشیزائیں خوبصورت روایتی لباس اور زیورات پہنے رقص کر رہی ہیں۔قوم کی بیٹیوں کی اس بے توقیری کو دیکھ کر مینارِ پاکستان کے ماڈل کا سر بھی شرم سے جھک گیا ہوگا، دل چاہا کہ اخبار پھاڑ کر پھینک دوں لیکن کیا اخبار پھاڑنے سے حقیقت بدل جائے گی۔ یومِ پاکستان کی آڑ لے کر ہم ناچ گانا دکھا کر اس دن کی یاد منا رہے ہیں جس دن قراردادِ پاکستان پیش کی گئی تھی جس میں مسلمانانِ ہند کی طرف سے یہ مطالبہ پیش کیا گیا تھا'' کہ جن خطوں میں مسلمانوں کی عددی اکثریت ہے ان کو ملا کر ایک خودمختار مملکت بنائی جائے جہاں مسلمان زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام سے رہنمائی حاصل کریں۔'' یہ قرار داد کیا تھی یہ ایک معاہدہ تھا وہ بھی اپنے رب سے۔میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی یومِ پاکستان پر بھی قومی جذبے جگانے کی بجائے ہمارے حکمران محفلِ موسیقی سجانے کا اہتمام کریں گے۔☆☆

بن بلائے مہمان کی خاطر مدارت

کیسے ہونی چاہیے؟

آجکل موسم کی تبدیلی کے ساتھ ہی چیونٹیاں ، لال بیگ ،مکھی ، کن کھجورے وغیرہ وغیرہ سب زمین کی تہہ سے نکل کر اوپر آ گئے ہیں ۔اب ہر گھر دار خاتون کو ان سے نمٹنے کے لئے اضافی کام کرنا پڑے گا ۔مشکل یہ ہے کہ اسپرے وغیرہ کے تو اب یہ کیڑے مکوڑے عادی ہو گئے ہیں ۔ جب بھی اسپرے کرو تھوڑے مرتے ہیں اور باقی چھپ جاتے ہیں ۔اسپرے کی بدبو کم ہوتی ہے تو یہ پھر حاضر خدمت ہو جاتے ہیں ۔''دلیری'' اور بہادری کا یہ عالم ہے کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کاؤنٹر پر ناچتے ہیں جیسے ہی آپ نے مارنے کیلئے ہاتھ بڑھایا یہ کسی کونے میں چھپ جاتے ہیں ۔

لال بیگ

لال بیگ پر تو ہر دوا بے کار ہو گئی ہے ۔ان کی اتنی نسلیں ہیں کہ مت پوچھئے ۔آجکل تو بالکل چھوٹے چھوٹے چیونٹی کے سائز کے لال بیگ بھی پیدا ہو گئے ہیں اور چیونٹیاں الگ ۔ بہر حال آج کا موضوع یہی ہے کہ اس مخلوق سے کس طرح چھٹکارا حاصل کیا جائے ۔تو پہلے کچن میں چلتے ہیں ۔ناراض مت ہوں مجھے معلوم ہے عورت کی تو آدھی زندگی کچن میں گزرتی ہے ۔بھئی میں ذرا گھروں میں رہنے والی اس بن بلائی مخلوق سے عاجز بہنوں کی مدد کرنا چاہتی ہوں ۔کچن کو تمام برتنوں سے سارے سامان سے خالی کر لیں سفید سیمنٹ اور پلاسٹر آف پیرس کا ڈبہ منگا لیں ۔کوئی بھی پاؤڈر لال بیگ مارنے والا منگا لیں اور پھر چار پانچ ڈبے بورک کے منگا لیں ۔کالی مرچ کا پاؤڈر آدھ کپ لیں اور ان سب کو مکس کر لیں اور کچن میں جہاں کہیں چھوٹے موٹے سوراخ بنے ہوں ان کو اس مکسچر سے بند کر دیں اس طرح کہ تھوڑا پانی ملا کر پیسٹ بنا لیں اور مکھن لگانے والی چھری سے صفائی کے ساتھ یہ پیسٹ ٹائل کے درمیان بجلی کے سوئچ کے آس پاس کیبنٹ کے جوڑوں میں جہاں بہت چھوٹے ''گیپ'' ہوتے ہیں وہاں بہت ہی چھوٹے چھوٹے لال بیگ جمع ہو جاتے ہیں سب جگہ یہ پیسٹ لگا دیں اور کچن بند کر دیں دو گھنٹے بعد کھولیں کیبنٹ وغیرہ کے دروازے کھول دیں ۔اب ایک کام اور کریں میدہ ایک پیالی ، بورک دو پیالی ، دو پیالی خشک دودھ ایک پیالی چینی ، آدھ پیالی پانی، اس کا سخت آٹا گوندھ لیں چھوٹی چھوٹی گولیاں بنالیں الماریوں ،دروازوں کے کونوں اور اوون میں یہ گولیاں ڈال دیں جیسے ہی وہ چینی ، دودھ اور میدے کی خوشبو سونگھ کر اسے کھائیں گے تو بورک ان کا خاتمہ کر دے گا ۔اس طرح لال بیگ اور کیڑے مکوڑے کافی حد تک کم ہو جائیں گے ۔

ایک اور ترکیب صرف بورک لے کر دروازوں ، کچن ،

کیبنٹ میں پھیلا دیں اور پھر براؤن کاغذ بچھا کر برتن اور دوسرا سامان وغیرہ رکھ دیں لال بیگ نہیں آئیں گے، کیونکہ بورک لال بیگ کے انڈے دینے کی صلاحیت کو کم کر دیتا ہے ۔

مکھیاں اور مچھر

اب آئیں مکھیوں کی طرف ہم صفائی کے معاملے میں عموماً کوتاہی کر ہی جاتے ہیں کام کی زیادتی، وقت کی کمی اور بعض اوقات مکھیاں مچھر مارنے والی دواؤں سے ناواقفیت بھی مکھی مچھروں کی بہتات کا باعث بن جاتی ہے ۔ بازار میں مختلف ناموں سے کیڑے مار دوائیں ملتی ہیں مگر جب تک ان کی بو رہتی ہے مکھی، مچھر نہیں آتے ۔ مستقل حل بہر حال کوئی نہیں ہے ۔ ہاں اگر آپ دروازوں اور کھڑکیوں پر جالی لگوالیں تو کسی حد تک ان پر قابو پایا جا سکتا ہے اور دوسرا کام یہ کریں کہ صبح شام کے اوقات میں اور مغرب کے فوراً بعد داخلی دروازوں پر گیلا پودینہ لٹکا دیں ۔ اگر بتی جلائیں یا پھر کسی برتن میں کوئلے سلگا کر اس میں پیاز لہسن کے چھلکے بھی ڈال دیں ۔ اندھیرا ہونے سے پہلے مچھر گھر میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں ۔اس وقت اگر یہ احتیاط کر لی جائے اور پھر کوشش کی جائے کہ دروازے کم سے کم کھولے جائیں تو مچھروں سے کسی حد تک بچا جا سکتا ہے ۔ مکھیوں کو دور رکھنے کیلئے بھی دروازے کے قریب نیم کے پتے سلگا دیں اور پوچا لگاتے وقت فینائل کے علاوہ تھوڑا سا مٹی کا تیل پانی میں ڈال کر پوچا لگانے سے بھی مکھیاں نہیں آتیں ۔ مٹی کے تیل کی بو کچھ دیر میں ختم ہو جاتی ہے نمک کے پانی کا پوچھا لگانے سے بھی مکھیاں نہیں آتیں ۔

چوہے

تو بہ نام سے ہی گھن آتی ہے ۔ ان کو گھر سے باہر بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا گھر کے اندر تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ باورچی خانے میں بیسن کے نیچے جو کپ لگا ہوتا ہے اسے جالی کے اندر فکس کروائیں اور جالی بھی باریک والی اس طرح بڑے والے لال بیگ اور چوہے دونوں ہی کچن کے اندر نہیں آسکتے ۔ سیمنٹ سے اُس کو مضبوط کروا لیں ۔ دروازے کے نیچے فرش کے ساتھ جو گیپ ہوتا ہے اسے کم سے کم اونچائی پر رکھیں تاکہ وہاں سے بھی چوہے چھچھوندر اندر نہ آسکیں ۔ گھر کے گٹر دو تین ماہ بعد صاف کروائیں کوئی بھی تیز قسم کی چوہے مار دوا گٹر میں ضرور ڈلوائیں کچن کے ساتھ بنے گٹر میں ہفتے میں ایک بار کھولتے پانی میں کپڑے دھونے والا سوڈا ڈال کر بند کر دیں ۔ یہ کام بہت احتیاط سے کریں کیونکہ سوڈا بہت تیز ہوتا ہے اور ہاتھ بھی جل سکتا ہے ۔ بہر حال یہ ترکیب ایسی ہے کہ چوہے آئے دن کی اس مہمان نوازی سے گھبرا کر کہیں چلے جائیں گے ۔

چھپکلیاں

اُف کس قدر خطرناک ہوتی ہیں ۔ ہر گھر میں نظر آتی ہیں اسپرے سے مر جاتی ہیں مگر پھر وہیں موجود ہوتی ہیں ان کا مستقل علاج نہیں ہے ۔ آپ مور کے پر خریدیں اور کچن میں، اسٹور میں اور باتھ روم وغیرہ میں ایک ''پر'' لٹکا دیں ۔ چھپکلیاں نہیں آئیں گی ۔ آزمائیں ۔

کالے چیونٹے

درختوں میں اور پودوں میں آجکل کالے چیونٹے بہت آرہے ہیں انکا بھی موسم ہوتا ہے یہ بہت زور سے کاٹتے ہیں۔انکا علاج یہ ہے کہ درخت کے تنوں پر سفیدی کروالیں ۔یعنی چونا مل دیں اور تھوڑا خشک چونا پودوں اور بڑے درختوں کی جڑ میں ڈال دیں۔چیونٹے کم ہو جائیں گے۔

چھوٹی چیونٹیاں میٹھی چیزوں کو کھلا رکھیں یا ڈھانپ کر یہ کوئی نہ کوئی راستہ ڈھونڈ لیتی ہیں اپنی خوراک حاصل کرنے کا۔انکا بھی یہی علاج ہے صفائی رکھی جائے اور جہاں ان کے بل ہیں وہاں سرخ مرچ کا پاؤڈر یا ہلدی پاؤڈر تھوڑا سا ڈال دیں گھر میں نمک کے پانی کا پوچا لگائیں۔الماری میں اگر یہ ہیں تو کونوں میں دو چار لونگ رکھ دیں یا پھر لونگ پیس کر اسکا پاؤڈر چھڑک دیں۔

☆ نیم کے پتے بھی اگر الماریوں اور دروازوں کے کونے میں رکھ دیئے جائیں تو یہ بھاگ جاتی ہیں۔

☆ سب سے اہم بات ہے گھر کو ٹھیک طرح سے صاف رکھنا اور صرف اپنے ڈرائنگ روم اور بیڈ روم کی صفائی اور آسائش و آرائش کو اہم سمجھنے کی بجائے پورے گھر کو سلیقے سے رکھنا چاہیے لہٰذا آپکی توجہ اپنے گھر کے ہر کونے پر ہونی چاہیے۔یہی ایک سمجھدار اور سلیقہ شعار خاتون کی پہچان ہے۔

جنت کا پھل انجیر

قدرت کے انمول تحفے کے حیرت انگیز طبی فوائد

☆ اگر خونی بواسیر ہوتو پانچ عدد انجیر (ٹکڑے کر کے) پاؤ بھر دودھ میں اُبال لیں اور ٹھنڈا کر کے روزانہ سونے سے پہلے کھالیں۔تھوڑے ہی دنوں میں انشاءاللہ خون بند ہو جائے گا۔یہ عمل مستقل جاری رکھیں تو بہت اچھا ہے۔

☆ خشک بواسیر کے سبب بہت درد ہوتو پانی میں ایک چمچ شہد ملا کر اسکے ساتھ نہار منہ پانچ عدد انجیر روزانہ کھائیں۔

☆ جن کو بواسیر کی تکلیف کم ہومگر بدہضمی زیادہ ہووہ ہر کھانے سے قبل تین عدد انجیر کھالیں۔

☆ جن کے پیٹ میں بوجھ ہو جاتا ہووہ ہر بار کھانا کھانے کے بعد تین عدد انجیر کھالیں۔

☆ کمر کے درد والے روزانہ چھ عدد انجیر کھائیں۔

☆ جن کو قبض رہتا ہووہ روزانہ پانچ عدد انجیر کھا لیا کریں۔

☆ انجیر کھانسی، دمہ، اور رنگ نکھارنے کے لئے مفید ہے۔

☆ موٹاپا کم کرنے کے لئے روزانہ تین عدد انجیر کھالیا کریں۔

☆ انجیر پرانی بلغمی کھانسی کے لئے مفید ہے۔

☆ میتھی کے بیج اور انجیر پانی میں پکا کر خوب گاڑھا کر کے اس میں شہد ملا کر کھانے سے کھانسی کی شدت میں راحت ہوتی ہے۔

☆ انجیر گردہ اور مثانہ کی پتھری باہر نکالتا ہے۔

☆ انجیر اور بادام ملا کر کھائیں تو پیٹ کی اکثر بیماریاں دور بھاگتی ہیں۔

☆ جو کا آٹا اور انجیر ملا کر کھانا متعدد دماغی امراض میں مفید ہے۔

☆ خشک انجیر جلا کر اس کی راکھ سے منجن کرنے سے دانت کا میل اور دھبے دور ہوتے ہیں۔

☆ انجیر کے جوش دیے ہوئے پانی کے غرارے کرنے سے مسوڑھوں اور گلے کی سوزش کم ہوتی ہے۔